18

ہفت روزہ
ندائے خلافت
لاہور

10 تا 16 مئی 2007ء / 22 تا 28 ربیع الثانی 1428ھ

www.tanzeem.org

اس شمارے میں

بے آواز لاٹھی

اسلامی فلاحی ریاست کا دستوری خاکہ

صوفی ازم کا حقیقی تصور

اراکین اسمبلی اور رہنمایانِ قوم کے لئے ایک لمحہ فکریہ

ایم ایم اے کا علماء و مشائخ کنونشن

ایک میرے کرنے سے.....

قومی حمیت یا اسلامی حمیت

اضطراب کا پس منظر

دعوتی و تربیتی سرگرمیاں

دینی ہیئتِ اجتماعیہ کے خلاف
شیطان کے ہتھکنڈے

دینی مقاصد اور بالخصوص اقامت دین کے لیے جو بھی ہیئتِ اجتماعیہ وجود میں آتی ہے وہ یقیناً شیطان کی دشمنی کے لیے اور اسے للکارنے کے لیے ہی وجود میں آتی ہے‘ لہٰذا شیطان کے حملے کا سب سے بڑا نشانہ اور ہدف بھی وہ اجتماعیت ہی بنتی ہے۔ اس پہلو سے غور کیا جائے تو شیطان کے حملہ آور ہونے کے مختلف راستے ہیں۔

اوّلاً اس کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ اس ہیئتِ اجتماعیہ میں شریک ہر فرد کے دل میں وسوسہ اندازی کرے اور اس کے نفسانی داعیات اور محرکات کو مشتعل کرے۔ یہ کوشش تو شیطان ہر فردِ نوعِ بشر کے لیے کرتا ہے اور ظاہر ہے کہ ایسے اشخاص کے لیے جو کسی ایسی اجتماعیت میں شریک ہوں جو شیطان کو للکارنے کے لیے وجود میں آئی ہو‘ اُس کی یہ کوششیں دو چند ہو جاتی ہیں۔

پھر اس سے آگے بڑھ کر وہ ان لوگوں کے باہمی رشتے کو کمزور کرنے‘ ان کی جمعیت میں رخنے ڈالنے‘ ان کے دلوں میں ایک دوسرے کے خلاف بدگمانیاں پیدا کرنے اور ایک دوسرے کے خلاف دلوں میں کدورت پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے‘ تاکہ یہ بنیانِ مرصوص نہ بن سکیں‘ ان کے مابین ایک دوسرے کے خلاف غلط فہمیاں پیدا ہوں اور ایک دوسرے سے بغض اور عداوت پیدا ہو جائے۔

تیسری کوشش اس کی خاص طور پر یہ ہوتی ہے کہ اس اجتماعیت کے نظم کو بگاڑے اور اس نظم میں امیر اور مامورین کے مابین جو ربط و تعلق ہے‘ اسے خراب کرے۔ اصل میں تو امیر اور مامورین کے مابین یہ تعلق ہی ہے جو کسی نظم کے مؤثر ہونے میں سب سے زیادہ مفید ہے اور یہی چیز فیصلہ کن بھی ہے۔ شیطان کا تیسرا حملہ اس تعلق کو کمزور کرنے کے لیے ہوتا ہے۔

حزبُ اللہ کے اوصاف

ڈاکٹر اسرار احمد

الھدیٰ (278)

ڈاکٹر اسرار احمد

سورۃ المائدہ
(آیات: 97 تا 102)

بسم اللہ الرحمٰن الرَّحیم

﴿٩٧﴾ جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ وَالْهَدْيَ وَالْقَلَآئِدَ ؕ ذٰلِكَ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا
فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿٩٧﴾ اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ وَاَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ
رَّحِيْمٌ ﴿٩٨﴾ مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ ﴿٩٩﴾ قُلْ لَّا يَسْتَوِي الْخَبِيْثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ
اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿١٠٠﴾

''اللہ نے عزت کے گھر (یعنی) کعبے کو لوگوں کے لئے موجبِ امن مقرر فرمایا ہے۔ اور عزت کے مہینوں کو اور قربانی کو اور اُن جانوروں کو جن کے گلے میں پٹے بندھے ہوں۔ یہ اس لئے کہ تم جان لو کہ جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے اللہ سب کو جانتا ہے اور یہ کہ اللہ کو ہر چیز کا علم ہے۔ جان رکھو کہ اللہ سخت عذاب دینے والا ہے اور یہ کہ اللہ بخشنے والا مہربان بھی ہے۔ پیغمبر کے ذمے تو صرف (پیغامِ الٰہی کا) پہنچا دینا ہے۔ اور جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ مخفی کرتے ہو' اللہ کو سب معلوم ہے۔ کہہ دو کہ ناپاک چیزیں اور پاک چیزیں برابر نہیں ہوتیں' گو ناپاک چیزوں کی کثرت تمہیں خوش ہی لگے۔ تو عقل والو! اللہ سے ڈرتے رہو' تاکہ رستگاری حاصل کرو۔''

بیت اللہ کی عظمت کا تذکرہ میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے کعبہ کو جو کہ بیت الحرام (بزرگی والا گھر) ہے لوگوں کے لئے امن و سکون کی جگہ بنایا۔ اسی طرح شہرِ حرم اور قربانی کے جانور اور وہ جانور جن کے گلوں میں نشانی کے طور پر پٹے ڈال دیئے گئے ہوں کہ یہ کعبہ کے لئے ھدی کے جانور ہیں' یہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔ یہ جہالت کی روایات نہیں' یہ تو کعبے کی عظمت اور حرمت کی چیزیں ہیں۔ یہ اس لیے کہ تم اچھی طرح جان لو کہ اللہ تعالیٰ کو آسمانوں اور زمین کی ہر شے کا علم ہے اور یہ کہ اللہ ہر شے کا علم رکھتا ہے۔

جان لو کہ اللہ تعالیٰ سزا دینے میں بہت سخت ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ غفور اور رحیم بھی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی دو شانیں ہیں۔ اب تم دیکھو کہ تم اپنے آپ کو کس شان کے ساتھ متعلق کر رہے ہو اور کس کے مستحق بن رہے ہو۔ اُس کی عقوبت کے یا رحمت اور مغفرت کے۔

ہمارے رسول ﷺ پر پیغام پہنچا دینے کے سوا کوئی ذمہ داری نہیں۔ اس کے بعد اب ساری ذمہ داری تمہاری ہے اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ تم ظاہر کرتے اور جو کچھ تم چھپاتے ہو۔ اے نبی ﷺ! کہہ دیجئے کہ ناپاک اور پاک چیزیں برابر نہیں ہو سکتیں' چاہے ناپاک شے کی کثرت تمہیں اچھی لگے۔ آدمی تو چاہتا ہے کہ مال کی ریل پیل ہو' چاہے وہ حرام ذرائع سے ہی حاصل کرنا پڑے۔ دنیا کا عیش و آرام ہر قیمت پر حاصل ہونا چاہیے۔ خبیث کی کثرت اُس کی آنکھوں کو چکا چوند کر دیتی ہے: بقول کسے ع نظر کو خیرہ کرتی ہے چمک تہذیب حاضر کی۔ پس اے ہوش مندو! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو' تاکہ تم فلاح پاؤ۔

فرمان نبویؐ

پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

لباس میں خاکساری اور تواضع پر انعام و اکرام

عَنْ مُعَاذِ بْنِ اَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : ((مَنْ تَرَكَ اللِّبَاسَ تَوَاضُعًا لِلّٰهِ وَهُوَ يَقْدِرُ عَلَيْهِ دَعَاهُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰى رُؤُسِ الْخَلَائِقِ حَتّٰى يُخَيِّرَهُ مِنْ اَيِّ حُلَلِ الْاِيْمَانِ يَلْبَسُهَا)) (رواہ الترمذی)

حضرت معاذ بن انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو بندہ بڑھیا لباس کی استطاعت کے باوجود ازراہِ تواضع و انکساری اس کو استعمال نہ کرے (اور سادہ معمولی لباس ہی پہنے) تو اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے دن ساری مخلوقات کے سامنے بُلا کر اختیار دے گا کہ وہ ایمان کے جوڑوں میں سے جو جوڑا بھی پسند کرے اس کو زیب تن کرے۔''

تشریح: یہ بشارت ان بندوں کے لئے ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے اتنی دولت دی ہے کہ وہ بہت اعلیٰ اور بیش قیمت لباس بھی استعمال کر سکتے ہیں لیکن وہ اس مبارک جذبے کے تحت ایسا لباس نہیں پہنتے کہ اس کی وجہ سے دوسرے بندوں پر میرا تفوق اور میری بڑائی ظاہر ہوگی اور شاید کسی غریب و نادار بندے کا دل ٹوٹے۔ بلاشبہ بہت ہی مبارک اور پاکیزہ ہے یہ جذبہ۔ اس حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ جو بندے اس جذبے کے تحت ایسا کریں گے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اہلِ محشر کے سامنے انہیں اس انعام و اکرام سے نوازے گا کہ اہلِ ایمان جنتیوں کے لئے جو اعلیٰ سے اعلیٰ جوڑے وہاں موجود ہوں گے' فرمایا جائے گا کہ ان میں سے جو جوڑا چاہو لے لو اور استعمال کرو۔

اداریہ
ایوب بیگ مرزا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بے آواز لاٹھی

قلمکار جب اپنے خیالات قرطاس پر منتقل کرتا ہے یا مقرر اپنے جوہرِ خطابت دکھاتا ہے تو قاری اور سامع پر اُس کے اثرات اُتنے ہی گہرے اور دیرپا ہوتے ہیں' جتنے وہ خیالات یا تجزیہ حقیقت کے قریب ہو' اور حقیقت یہ ہے کہ 5 مئی کو حقیقی ریفرنڈم ہوگیا۔ 9 مارچ سے پہلے پاکستان کی اکثریتی عوام چیف جسٹس چوہدری افتخار کے نام سے بھی آشنا نہ تھی' لیکن دو ماہ سے کم عرصہ میں موصوف اسلام آباد سے لاہور 26 گھنٹے میں اِس لیے پہنچتے ہیں کہ اُن کا خیر مقدم کرنے والوں' اُن پر پھول نچھاور کرنے والوں اُن کی گاڑی کو چومنے والوں کی تعداد اِس قدر زیادہ تھی کہ گاڑی صرف رینگ سکتی تھی' تیز دوڑائی نہیں جا سکتی تھی۔ دو ہفتے قبل جب صوبہ سرحد میں چیف جسٹس کو زبردست پذیرائی ملی اور اُن کا والہانہ استقبال ہوا تو عام خیال یہ تھا کہ ایم ایم اے کی حکومت نے مرکزی حکومت کے سامنے اپنی قوت کا مظاہرہ کیا ہے۔ پنجاب حکومت نے ظاہراً فری ہینڈ دیا' جبکہ حقیقت میں اِس ریلی کے راستے میں بہت سی رکاوٹیں کھڑی کرنے کی کوشش کی۔ ہزاروں کارکنوں کو گرفتار کیا گیا' تمام ممکنہ وسائل استعمال کئے گئے اور ایسے حربے اختیار کیے گئے کہ یہ شو ناکام ہو جائے لیکن کوئی مقناطیسی قوت انسانوں کو چیف جسٹس کی گاڑی کی طرف کھینچ رہی تھی اور یہ کارواں جب لاہور پہنچا تو انسانوں کا ایک سمندر اُن کا منتظر تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ موجودہ غیر نمائندہ مسلط شدہ حکومت اِس سمندر میں غرق ہوا چاہتی ہے۔

کیا چیف جسٹس کرشماتی شخصیت کے مالک ہیں۔ ملک بدر عوامی رہنما سات سال سے دہائیاں دے رہے تھے۔ ایم ایم اے کے قائدین خصوصاً قاضی حسین احمد وردی کے معاملے میں دھوکہ کھانے کے بعد زخمی شیر کی طرح غرّا رہے تھے، کبھی سیاسی اور کبھی مذہبی ایشو کو بنیاد بنا کر عوام کو سڑکوں پر لانے کے جتن کیے جا رہے تھے۔ عمران خان اپنا ٹل (زور) لگا چکے تھے، لیکن عوام ٹس سے مَس نہ ہوئے۔ ایسا نہیں اور ہرگز نہیں کہ عوام مطمئن تھے۔ جنرل کے پہلے دو سال نکال دیجیے' خصوصاً نائن الیون کے بعد حکومت نے امریکہ کا دُم چھلہ بننے کی جو شرمناک پالیسی اختیار کی عوام اُسے انتہائی نفرت کی نگاہ سے دیکھ رہے تھے، پھر یہ کہ جیسی خوفناک مہنگائی گزشتہ دو تین سال میں ہوئی ہے ایسی تیز رفتاری کبھی ماضی میں دیکھنے میں نہ آئی تھی۔ روشن خیالی کے نام پر مذہبی شعائر اور تہذیبی اقدار کا جس طرح تمسخر اُڑایا گیا عوام اُس پر سخت نالاں تھے۔ لوٹا صفت سیاست دانوں کو لوٹ کھسوٹ اور کرپشن کی جس طرح کھلی چھٹی دی گئی تھی' عوام اُس پر بھی پیچ و تاب کھا رہے تھے اور حرف آخر یہ کہ آسمان سے تارے توڑ لانے والا قائد بھی اگر بھارت کے سامنے بچھنے لگے گا تو پاکستانیوں کی نفرت کا یقیناً نشانہ بنے گا۔ اِس سب کچھ اور اپوزیشن کی چیخ و پکار کے باوجود اگر عوام سڑکوں پر نہیں آ رہے تھے تو اس کی وجہ تھی سیاسی لیڈروں پر حد درجہ کی بداعتمادی اور اُن کا یہ بزدلانہ رویہ' کہ خود بیرون ملک آسودہ بیٹھے ہیں اور عوام کو سڑکوں پر نکلنے کے لیے اکساتے ہیں۔ سیاسی کارکن یہ محسوس کر رہے تھے کہ لاٹھیوں اور گولیوں کا سامنا کرنے کے لیے ہمیں کہا جا رہا ہے اور خود تخت خالی ہونے کے انتظار میں باہر بیٹھے ہیں۔ عوام اگر باہر نکلے تو اس میں اپوزیشن کا کوئی کمال نہیں ہے' بلکہ یہ حکومت کی پے در پے حماقتوں کا نتیجہ ہے۔ حکومت نے یہ تصویر خود جاری کی جس میں وردی میں ملبوس صدر تنا ہوا بیٹھا ''انا ولا غیری'' کا خاموش نعرہ لگا رہا ہے اور چیف جسٹس کو سامنے ملزموں کی طرح بٹھایا ہوا ہے۔ ہر قسم کی رعونت اور ہیبت کو نظر انداز کر کے چیف جسٹس نے جو نعرۂ بغاوت بلند کیا اُس نے عوام کے سینوں میں جمع دھماکہ خیز مواد کو جلتی دیا سلائی دکھائی۔ تحسین اور ستائش کے اصل حقدار وکلا ہیں' جنہوں نے جوانمردی سے اور ڈٹ کر حکومتی کارروائیوں کا مقابلہ کیا ہے۔

یہ تو تھی حالات کی تصویر۔ اب آیئے صورتِ حال کا تجزیہ کریں۔ فرض کر لیں کہ آج مشرف منظر سے ہٹ جاتا ہے تو کیا پاکستان میں دودھ اور شہد کی نہریں بہنے لگیں گی۔ قوم جب ''ایوب کتا ہائے ہائے'' کر رہی تھی' اُس وقت بھی یہ خواب دیکھے گئے تھے اور قوم کو بتایا گیا تھا کہ تمہارے تمام مصائب اور مسائل کا منبع اور سرچشمہ ایوب خان ہے۔ مہنگائی اور بیروزگاری آمریت کی وجہ سے ہے۔ جمہوریت بحال ہوتے ہی سب اچھا ہو جائے گا۔ پھر اِسی بحال شدہ جمہوریت کے طفیل عوام کے کندھوں پر سوار ہو کر بھٹو آیا۔ روٹی' کپڑا اور مکان کا نعرہ لگایا اور بقول شخصے روٹی کی جگہ گولی' کپڑا کی جگہ کفن اور مکان کی بجائے قبر کا سامان کیا۔ تب تحریک نظام مصطفیٰ کے عنوان سے اینٹی بھٹو تحریک چلی۔ تحریک کے انداز اور قائدین کی تقاریر سے معلوم ہوتا تھا کہ بھٹو اسلام کے راستے میں واحد رکاوٹ ہے۔ جونہی بھٹو گیا' اسلام خود بخود (باقی صفحہ 18 پر)

تا خلافت کی بنا' دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

قیام خلافت کا نقیب

ہفت روزہ — لاہور

ندائے خلافت

جلد 16 — 10 تا 16 مئی 2007ء — 22 تا 28 ربیع الثانی 1428ھ — شمارہ 18

بانی: اقتدار احمد مرحوم
مدیر مسئول: حافظ عاکف سعید
نائب مدیر: محبوب الحق عاجز

مجلس ادارت
سید قاسم محمود۔ ایوب بیگ مرزا
سردار اعوان۔ محمد یونس جنجوعہ
نگران طباعت: شیخ رحیم الدین

پبلشر: محمد سعید اسعد' **طابع**: رشید احمد چوہدری
مطبع: مکتبہ جدید پریس' ریلوے روڈ' لاہور

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی:
67-اے' علامہ اقبال روڈ' گڑھی شاہو' لاہور-54000
فون: 6366638 - 6316638 فیکس: 6271241
E-Mail:markaz@tanzeem.org
مقام اشاعت: 36-کے' ماڈل ٹاؤن' لاہور-54700
فون: 03-5869501

قیمت فی شمارہ 5 روپے

سالانہ زرِ تعاون
اندرونِ ملک...... 250 روپے
بیرون پاکستان
انڈیا ---------------- (2000 روپے)
یورپ' ایشیا' افریقہ وغیرہ (2500 روپے)
امریکہ' کینیڈا' آسٹریلیا وغیرہ (3000 روپے)
ڈرافٹ' منی آرڈر یا پے آرڈر
''مکتبہ خدام القرآن'' کے عنوان سے ارسال کریں
چیک قبول نہیں کیے جاتے

''ادارہ'' کا مضمون نگار حضرات کی رائے سے پورے طور پر متفق ہونا ضروری نہیں

رُباعیات

بالِ جبریل

چودھویں رباعی

جمالِ عشق و مستی نے نوازی
جلالِ عشق و مستی بے نیازی
کمالِ عشق و مستی ظرفِ حیدرؓ
زوالِ عشق و مستی حرفِ رازی!

عشق یعنی عاشق جب اپنی شانِ جمال دکھاتا ہے تو اس کا وجود دنیا والوں کے حق میں رحمتِ الٰہی بن جاتا ہے۔ شانِ جمال عاشق کو بنی نوع انسان کی خدمت پر آمادہ کر دیتی ہے' اور شانِ جلال اُس کو دنیا والوں سے خدمت کا صلہ طلب کرنے سے باز رکھتی ہے' کیونکہ وہ جو کچھ کرتا ہے' اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے کرتا ہے۔

جب یہ دونوں شانیں اپنے مرتبۂ کمال کو پہنچ جاتی ہیں تو مومن (عاشق) کے اندر حضرت علی ؓ کی پختگیِ کردار کا رنگ جھلکنے لگتا ہے' یعنی مومن صرف اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے زندہ رہتا ہے' اور چونکہ اس کا مقصدِ حیات اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنا ہوتا ہے' اس لیے وہ اپنے دشمنوں کے ساتھ بھی لطف وکرم سے پیش آتا ہے۔ یہ معنی ہیں ''ظرف'' کے۔ یعنی مومن کے قلب میں اس قدر وسعت پیدا ہو جاتی ہے کہ ساری کائنات اس میں سما جاتی ہے' اور دشمن تک اس کے دسترخوانِ کرم سے فیض یاب ہو سکتے ہیں۔ چوتھے مصرعے میں اقبال کہتے ہیں کہ جب انسان عشق و مستی کی صفت سے محروم ہو جاتا ہے تو رازی بن جاتا ہے۔ امام رازی منطق' فلسفہ اور علم الکلام' تینوں علوم میں اپنی نظیر نہیں رکھتے' لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ اُن کی تصانیف کے مطالعے سے ایمان ویقین میں ضعف پیدا ہوتا ہے' اور اگر ایمان ویقین کی دولت انسان کو نصیب نہ ہو تو انسان مقصدِ حیات حاصل نہیں کر سکتا' اور اگر مقصدِ حیات حاصل نہ ہو تو پھر زندگی ہی بے کار ہے۔ یہی بات اقبال نے ''زبورِ عجم'' میں مسلمانوں کو سمجھائی ہے:

من آں علم و فراست با پرِ کاہے نمی گیرم
کہ از تیغ و سپر بیگانہ سازد مردِ غازی را
بہر نرخے کہ ایں کالا بگیری سود مند اُفتد
بزورِ بازوئے حیدرؓ بدہ ادراکِ رازی را

پندرھویں رباعی

وہ میرا رونقِ محفل کہاں ہے
مری بجلی مرا حاصل کہاں ہے
مقام اس کا ہے دل کی خلوتوں میں
خدا جانے مقامِ دل کہاں ہے!

اِس رُباعی میں تصوّف اور تغزل دونوں کا امتزاج پایا جاتا ہے' اس لیے پڑھنے والے پر عالمِ وجد طاری ہو جاتا ہے۔ اقبال نے انتہائی بلیغ انداز میں ''دل'' کا مقام واضح کیا ہے۔ چوتھے مصرع میں استفہام کا رنگ نہیں ہے' بلکہ شاعری کی رُوح سمٹ آئی ہے۔

عاشق اپنے دل کی تلاش میں سرگرداں ہے۔ اس لیے پوچھتا ہے کہ کیا کوئی شخص بتا سکتا ہے کہ میرا دل جو رونقِ محفل بھی ہے' اور بجلی اور حاصل بھی ہے' کہاں ہے؟ یعنی اس کا مقام کیا اور کہاں ہے؟

لفظِ ''مقام'' اِس رباعی کی جان ہے' اور اُس سے مُراد ہے' حقیقت۔ اقبال کہتے ہیں کہ میں یہ تو نہیں جانتا کہ دل کا مقام کہاں ہے' ہاں اس قدر جانتا ہوں کہ ''اُس'' کا مقام دل کی خلوتوں میں ہے' یعنی ''وہ'' میرے دل میں رہتا ہے۔

چوتھے مصرع کا مفہوم یہ ہے کہ اے مخاطب! تُو خود فیصلہ کر' جب اللہ کا مقام دل ہے تو مقامِ دِل کس قدر رفیع وبلند ہوگا' یعنی شاعر نے اِس رباعی میں مقامِ دِل کی رفعت اور عظمت واضح کی ہے۔ چونکہ دل مقامِ کبریا ہے' اس لیے بلاشبہ عرش کا ہم پایہ ہے۔

سولہویں رباعی

سوارِ ناقہ و محمل نہیں مَیں
نشانِ جادہ ہوں منزل نہیں مَیں
مری تقدیر ہے خاشاک سوزی
فقط بجلی ہوں مَیں' حاصل نہیں مَیں

اِس رباعی میں اقبال نے مومن کی شان واضح کی ہے کہ مومن پردے میں نہیں رہتا' بلکہ اپنی خودی کا مظاہرہ کرتا رہتا ہے۔ اس کی زندگی سراپا حرکت اور عمل ہوتی ہے۔ نیز وہ بنی آدم کے حق میں رہنما کا کام دیتا ہے' اور اس کا فرضِ منصبی یہ ہے کہ وہ باطل سے برسرِ جنگ رہتا ہے اور کُفر کے خرمن کو جلا کر خاک کر دیتا ہے۔ چوتھے مصرعے کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مومن آلائشِ دنیوی سے پاک ہوتا ہے' کیونکہ ''حاصل'' بہر حال مادی اشیا سے عبارت ہے' اور بجلی غیر مادی ہے۔ بہرحال مومن کو بجلی سے تشبیہ دینا' اربابِ ذوق کی نظر میں لُطف سے خالی نہیں ہے۔

تنظیم	اسلامی	کا	پیغام
نظام	خلافت	کا	قیام

عہد حاضر کی اسلامی فلاحی ریاست کا مکمل دستوری خاکہ

نفاذِ اسلام کے لئے علمائے کرام کے بائیس نکات

اور اُن کی تشریح و توضیح

مسجد دار السلام' باغ جناح' لاہور میں امیر تنظیم اسلامی محترم حافظ عاکف سعید صاحب کے 4 مئی 2007ء کے خطاب جمعہ کی تلخیص

[آیات قرآنی کی تلاوت' خطبۂ مسنونہ اور تمہیدی گفتگو کے بعد!]

اِس بات پر پوری امت کا اجماع ہے کہ قرآن حکیم اور سنت رسول ﷺ شریعت کے بنیادی ماخذ ہیں۔ اسلامی ریاست میں اِن دونوں کو اہم ترین مقام حاصل ہوگا۔ ریاست کا نظام انہی پر استوار ہوگا۔ ہمارا حکمران طبقہ اپنے فکری انحرافات اور لادینیت پر مبنی اقدامات کو اسلامی فلاحی ریاست کی طرف پیش قدمی قرار دے رہا ہے' حالانکہ فی الاصل یہ اقدامات اسلامی ریاست کے قیام کی بجائے رہی سہی اسلامی اقدار کا خاتمہ کرنے اور پاکستان کو ایک سیکولر سٹیٹ بنانے کے لئے ہیں۔

اسلامی فلاحی ریاست کا مفہوم معین کرنے کا حق ہمارے حکمرانوں کو نہیں' نہ ہی یہ اُن لوگوں کو حاصل ہے جنہیں ارباب اقتدار نے اسلامی نظریاتی کونسل اور وفاقی شرعی عدالت میں لا بٹھایا ہے' جبکہ وہ سنت رسول ﷺ کی آئینی حیثیت کے قائل ہی نہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اگرچہ اپنی زبان سے سنت کا انکار نہیں کرتے' مگر اُن کے طرزِ فکر سے عیاں ہے کہ وہ حدیث کو نہیں مانتے اور یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ ہمارے لئے قرآن مجید ہی کافی ہے۔ اُن کا خیال ہے کہ قرآن کو سمجھنے کے لئے ہمیں سنت کی ضرورت نہیں' بلکہ قرآن کی زبان عربی چونکہ ایک زندہ زبان ہے' لہٰذا ہمارا کام یہ ہے کہ ہم عربی زبان سیکھیں اور قرآن کو اپنے دماغ اور اپنی سوچ سے سمجھیں۔ ہاں' اگر کوئی حدیث اِس سے مطابقت رکھتی ہے تو ہمیں قبول ہے' بصورت دیگر کوئی حدیث خواہ صحاح ستہ ہی کی کیوں نہ ہو ہم اُسے رد کر دیں گے۔ حقیقت کے اعتبار سے یہ انکار سنت کا فتنہ ہے جو آج نئے روپ میں سامنے آیا ہے۔ اِن لوگوں کا سرخیل غلام احمد پرویز تھا۔ پرویز کے پھیلائے ہوئے فتنہ انکار سنت سے زیادہ تر وہ لوگ متاثر ہوئے' جو یونیورسٹیوں اور کالجوں سے پڑھے ہوئے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کی دینی بنیادیں مضبوط نہیں۔ ایسے لوگ سمجھتے ہیں کہ حدیث بنائے اختلاف ہے۔ اِس سے مسلمانوں میں اختلاف پیدا ہوتا ہے۔ حالانکہ یہ اعتراض بالکل خلاف حقیقت ہے۔ اختلاف تو سنت کے ترک کرنے سے پیدا ہوتا ہے۔ اس کا مظہر یہ ہے کہ منکرین سنت آج تک نماز کے مفہوم پر بھی متفق نہیں ہو سکے۔ جبکہ اُن کے برعکس پوری امت چودہ سو سال سے نماز پر متفق چلی آ رہی ہے۔ اگر اختلاف ہے بھی تو وہ فروعی ہے' جس سے نماز کا نظام متاثر نہیں ہوتا' کیونکہ نماز کی رکعات اور ترتیب سب لوگوں کے نزدیک یکساں ہے۔

بہرحال وہ نام نہاد دانشور جو سنت کی آئینی حیثیت کے قائل نہیں' اسلامی ریاست کے ضمن میں اُن کے تصورات ہرگز قابل قبول نہیں۔ یہ لوگ اپنے سیکولر اور لبرل خیالات کو الیکٹرانک میڈیا کے ذریعے عام کر رہے ہیں اور دین کی ایک ایسی تعبیر پیش کر رہے ہیں جو یہود و نصاریٰ کو قابل قبول ہو۔ اِن لوگوں کے ''انحرافات'' حجت نہیں ہو سکتے' اور نہ ہی کوئی مسلمان انہیں اتھارٹی تسلیم کرتا ہے۔ درحقیقت اُن لوگوں کا فکری نسب خوارج سے ملتا ہے۔ خوارج عہد صحابہؓ کا وہ گروہ ہے' جن کا عقیدہ یہ تھا کہ ہمارے لئے اللہ کی کتاب کافی ہے' اُس کے علاوہ ہمیں کسی چیز کی ضرورت نہیں۔ اُن لوگوں کو خارج از اسلام قرار دیا گیا۔

اسلام اور اسلامی ریاست کے سلسلے میں اتھارٹی وہ علماء ہیں جو دین کی اساس قرآن و سنت کو مانتے ہیں۔ جو کتاب اللہ کے ساتھ ساتھ سنت کی آئینی حیثیت کے بھی قائل ہیں۔ یہ علماء اگرچہ مختلف فرقوں اور مسالک میں بٹے ہوئے ہیں' مگر اسلامی ریاست کے ضمن میں اِن میں کوئی اختلاف نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ 1951ء میں جبکہ ہمارے ہاں دستور سازی پر بحث چل رہی تھی' مختلف مکاتب فکر سے تعلق رکھنے والے چوٹی کے علماء نے ایک چار روزہ اجلاس میں بحث و تمحیص کے بعد اسلامی آئین کے لئے متفقہ طور پر بائیس نکات پیش کر دیے تھے۔ یہ وہ نکات ہیں جن میں اسلامی ریاست کا مکمل خاکہ موجود ہے۔ علماء کرام کا یہ اجلاس 12 تا 15 ربیع الثانی 1370ء بمطابق 21 تا 24 جنوری 1951ء کراچی میں ہوا' جس کی صدارت مولانا سید سلیمان ندوی نے کی۔ اِس اجتماع میں جو علماء شریک ہوئے اِن کے نام یہ ہیں: مولانا شمس الحق افغانی' مولانا محمد بدر عالم' مولانا احتشام الحق تھانوی' مولانا عبد الحامد بدایونی' مولانا مفتی محمد شفیع' مولانا محمد ادریس کاندھلوی' مولانا خیر محمد' مولانا مفتی محمد حسن' پیر امین الحسنات' پیر مانکی شریف' مولانا محمد یوسف بنوری' خلیفہ حاجی ترنگ زئی' قاضی عبد الصمد سربازی' مولانا اطہر علی' مولانا محمد صالح' مولانا راغب احسن' مولانا حبیب الرحمٰن' مولانا محمد علی جالندھری' مولانا داؤد غزنوی' مفتی جعفر حسین' مولانا کفایت حسین' مولانا محمد اسماعیل' مولانا حبیب اللہ' مولانا احمد علی' مولانا محمد صادق' پروفیسر عبد الخالق' مولانا شمس الدین فرید پوری' مفتی محمد صاحب داد' پیر محمد ہاشم مجددؒ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی' مولانا ظفر احمد انصاری۔

علماء کے اس اجتماع میں ہر مسلک کے نمائندہ علماء شامل تھے' ہاں اگر کوئی شامل نہ تھا' تو وہ غلام احمد پرویز تھا۔

علمائے کرام نے جو بائیس نکات پیش کئے اُن کی تفصیل درج ذیل ہے:

1۔ پہلا نکتہ ہے:

''اصل حاکم تشریعی و تکوینی حیثیت سے رب العالمین ہے۔''

جس طرح تکوینی حاکمیت اللہ تعالیٰ کی ہے' پوری کائنات پر اُس کی حکومت ہے' وہ تدبیر امر فرماتا ہے اور اُس کے احکامات اور مرضی کے مطابق کارخانہ موجودات کا نظام جاری و ساری ہے' اور جس طرح ہمارے متعلق وہ یہ فیصلہ کرتا ہے کہ کس شخص کے ساتھ کیا ہونا ہے' کس کی موت کب واقع ہوگی' وہ بیمار کب ہوگا' صحت کب پائے گا' وغیرہ وغیرہ' اِسی طرح تشریعی حاکمیت بھی اُسی کا حق ہے۔ وہی اِس بات کا حقدار ہے کہ ہمیں انفرادی اور اجتماعی زندگی بسر کرنے کا ضابطہ عطا فرمائے' اور ہمارے لئے لازم ہے کہ انفرادی زندگی میں بھی اُس کے دستور پر چلیں اور حیات اجتماعی میں بھی اُسی کے عطا کئے گئے ضابطہ کے مطابق ریاست کا نظام چلائیں۔

2۔ ''ملک کا قانون کتاب و سنت پر مبنی ہوگا' اور کوئی ایسا قانون نہ بنایا جا سکے گا جو کتاب و سنت کے خلاف ہو۔''

مسلمانوں کے حکمرانوں کا کام یہ ہوگا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی

حاکمیت اعلیٰ پر مبنی نظام نافذ کریں۔ ریاست کے تمام معاملات میں قرآن وسنت کی عملاً بالادستی قائم کریں یہی خلافت ہے۔ مسلمانوں کا امیر جائز و ناجائز اور حلال وحرام کا فیصلہ نہیں کر سکتا۔ اس لیے اُسے ایسا قانون بنانے کا ہرگز اختیار نہیں جو کتاب وسنت کے منافی ہو۔ یہ حق اللہ تعالیٰ کا ہے۔

اس نکتہ کے بعد ایک تشریحی نوٹ دیا گیا' جس میں کہا گیا:

''اگر ملک میں کچھ ایسے قوانین جاری ہوں جو کتاب وسنت کے خلاف ہوں تو اس کی تصریح بھی ضروری ہے کہ وہ بتدریج ایک معینہ مدت کے اندر ممنوع یا شریعت کے مطابق تبدیل کر دیئے جائیں گے۔''

یہ سفارشات 1951ء میں پیش کی جارہی تھیں۔ اُس وقت ظاہر ہے کہ ملک میں پہلے سے انگریز کا نظام چلا آ رہا تھا' اُس کے بارے میں کہا گیا کہ اُس میں جو جو بات قرآن وسنت سے متصادم ہے' حکومت کو چاہئے کہ اُسے ایک معینہ مدت کے اندر اندر تبدیل کر کے قرآن وسنت کے مطابق ڈھال دے۔ یہ کام پہلے تو نہ ہوسکا' البتہ جنرل محمد ضیاء الحق (مرحوم) نے اِس کا آغاز کیا تھا۔ اس مقصد کے لئے انہوں نے اسلامی نظریاتی کونسل بنائی تھی اور اُن کی دیانتداری کی داد دینی پڑتی ہے کہ انہوں نے کونسل کے لئے مختلف مسالک کے چوٹی کے علماء کا انتخاب کیا۔ اس کونسل نے اسلامائزیشن کے لئے قابل قدر کام کیا۔ ریاست کے نظام کے مختلف پہلوؤں کے بارے میں سفارشات مرتب کیں' مگر چونکہ ان کے نفاذ کا کوئی مؤثر نظام وضع نہیں کیا گیا' لہٰذا یہ سفارشات سرد خانے کی نذر ہوگئیں۔

3۔ تیسرا نکتہ ہے:

''مملکت کسی جغرافیائی' نسلی' لسانی یا کسی اور تصور پر نہیں بلکہ ان اصول و مقاصد پر مبنی ہوگی جن کی اساس اسلام کا پیش کیا ہوا ضابطہ حیات ہے۔''

یعنی اسلامی ریاست کی بنیاد اسلامی اصول و مقاصد ہوں گے' علاقائیت' لسانیت یا کوئی اور تعصبات اِس کی اساس نہ بن سکیں گے۔ جیسے کہ مشرق وسطیٰ میں کئی ایسی مملکتیں ہیں جو عرب نیشنلزم کی بنیاد پر قائم ہیں۔ علماء نے سفارش کی کہ یہاں ایسا نہیں ہوگا بلکہ ریاست پاکستان کی بنیاد صرف اور صرف اسلام ہوگی۔

4۔ چوتھے نکتے میں کہا گیا ہے:

''اسلامی مملکت کا یہ فرض ہوگا کہ کتاب وسنت کے بتائے ہوئے معروفات کو قائم کرے' منکرات کو مٹائے اور شعائر اسلام کے احیاء و اعلاء اور متعلقہ اسلامی فرقوں کے لیے ان کے اپنے مذہب کے مطابق ضروری اسلامی تعلیم کا انتظام کرے۔''

یہ نکتہ بہت اہم ہے' کیونکہ یہ اسلامی ریاست کے مقاصد میں سے ہے کہ وہ معروف کو رائج کرے' اچھی اقدار کو پروموٹ کرے اور منکرات کی بیخ کنی کرے' ظلم و زیادتی' ظالمانہ رسومات' غلط طور اطوار' بے حیائی' فحاشی اور عریانی کا خاتمہ کرے۔ ایک اسلامی مملکت کے طور پر ریاست پاکستان شعائر اسلام کے احیاء و اعلاء کے لئے اقدامات کرے۔ تعلیم کے شعبے میں اسلامی فرقوں کی جو تعلیمات ہیں اُن کا بھی انتظام ہونا چاہیئے' اس میں کوئی حرج نہیں ہے' کیونکہ سب فرقے دین کا حصہ ہیں۔

5۔ پانچواں نکتہ ملی رشتے کو مضبوط کرنے اور ملک کے اندر جاہلی تعصبات کے خاتمے سے متعلق ہے:

''اسلامی مملکت کا یہ فرض ہوگا کہ وہ مسلمانان عالم کے رشتۂ اتحاد واخوت کو قوی سے قوی تر کرنے اور ریاست کے مسلم باشندوں کے درمیان عصبیت جاہلیہ کی بنیادوں پر نسلی' لسانی' علاقائی یا دیگر مادی امتیازات کے ابھرنے کی راہیں مسدود کر کے ملت اسلامیہ کی وحدت کے تحفظ واستحکام کا انتظام کرے۔''

پاکستان کی اسلامی ریاست ایک تو دینی اخوت اور ملی تصور کو مضبوط کرے تاکہ ملت اسلامیہ کی وحدت' تحفظ اور استحکام ہوسکے۔ پھر یہ کہ ملک کے اندر ایسے تمام تصورات کا جن سے علاقائیت' لسانیت یا دیگر جاہلی تعصبات کو فروغ ملتا ہو' قلع قمع کرے' انہیں اسلام کے رشتہ اخوت و بھائی چارہ کے ذریعے ختم کرے۔ ہمارے ملک میں صوبائیت اور لسانیت کے جھگڑے روز افزوں ہیں۔ ان کی وجہ سے ایک دوسرے سے نفرتیں بڑھ رہی ہیں۔ کسی کو بھی ایک دوسرے پر اعتماد نہیں رہا۔ یہی عدم اعتماد کالا باغ ڈیم کی تعمیر میں رکاوٹ بنا ہوا ہے۔ اگر ملک میں اسلامی قومیت کے تصور کو مضبوط کیا جاتا' تو یہ تعصبات یقیناً کمزور ہوتے' ملک کی وحدت واستحکام کو فروغ ملتا اور ملک ترقی کرتا۔ مگر۔

وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

6۔ اسلامی ریاست کے فلاحی پہلو کے حوالے سے تجویز کیا گیا:

پریس ریلیز

4 مئی 2007ء

"حکمران سنت سے انحراف کرنے والے پرویزی ٹولے کے نظریات کو دین اسلام کے نام پر فروغ دینا چاہتے ہیں"

حافظ عاکف سعید

سب سے پہلے پاکستان کا نعرہ لگانے والوں نے سب سے زیادہ پاکستانیوں کے حقوق غصب کیے۔ لوگوں کو گھروں سے غائب کرادینے کی ایسی بدترین مثالیں کسی اور دور حکومت میں نہیں ملتیں۔ اگر ہم نے ملک میں اسلامی نظام نافذ کیا ہوتا تو آج اپنے ہی ملک میں غلاموں کی سی زندگی نہ گزار رہے ہوتے۔ ان خیالات کا اظہار امیر تنظیم اسلامی حافظ عاکف سعید صاحب نے مسجد دارالسلام باغ جناح میں خطاب جمعہ کے دوران کیا۔ انہوں نے کہا کہ وطن عزیز کے تمام مسائل کا حل اسلامی نظام کے قیام میں ہے کیونکہ اسلام تحفظ جان و مال و آبرو' آزادی مذہب و مسلک' آزادی عبادت' آزادی ذات' آزادی اظہار رائے' آزادی نقل وحرکت' آزادی اکتساب رزق' ترقی کے یکساں مواقع اور رفاہی ادارات سے استفادے کا تمام انسانوں کو برابری کی بنیاد پر حق دیتا ہے۔ جبکہ مارشل لاء میں تمام انسانی حقوق معطل ہوکر رہ جاتے ہیں اور عوام کی حیثیت محض غلاموں کی طرح ہوتی ہے۔

حافظ عاکف سعید نے کہا کہ صدر اور وزیر اعظم جس اسلامی فلاحی ریاست کے قیام کے لیے کوشاں ہیں اس کا اسلام سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ کیونکہ موجودہ حکمران سنت سے انحراف کرنے والے پرویزی ٹولے کے نظریات کو دین اسلام کے نام پر فروغ دینا چاہتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ دانشوروں کا ایک طبقہ عوام کو گمراہ کرنے کے لیے سوال کرتا ہے کہ اس ملک میں بریلوی' دیو بندی' شیعہ یا اہلحدیث مسالک میں سے کس کا اسلام نافذ کیا جائے۔ حالانکہ 1951ء میں تمام مکاتب فکر کے جید علماء نے ملک میں نفاذ اسلام کے لیے متفقہ بائیس نکات پیش کر کے ایسے اسلام دشمن افراد کا منہ بند کر دیا تھا۔ لہٰذا پاکستان کو اس حال تک پہنچانے کا ذمہ دار دینی طبقہ نہیں بلکہ وہ افراد ہیں جن کے ہاتھوں میں اقتدار کی زمام کار رہی۔ حکمران طبقے نے ان بائیس نکات کی روشنی میں ملک کو اسلامی فلاحی ریاست بنانے کی بجائے غیروں کے اس نظام کو سینے سے لگائے رکھا' جو بدترین استحصالی نظام ہے اور جس میں انسانی حقوق' آزادی اور مساوات کے نام پر انسانیت کو بہت بڑا دھوکہ دیا گیا ہے۔

(جاری کردہ: شعبہ نشر واشاعت تنظیم اسلامی)

"مملکت بلا امتیاز مذہب ونسل وغیرہ تمام ایسے لوگوں کی لابدی انسانی ضروریات یعنی غذا، لباس، مسکن، معالجہ اور قیام کی کفیل ہوگی جو اکتساب رزق کے قابل نہ ہوں یا نہ رہے ہوں یا عارضی طور پر بے روزگار ہوں، بیماری یا دوسرے وجوہ سے فی الحال سعی اکتساب پر قادر نہ ہوں۔"

مطلب یہ ہے کہ ریاست پاکستان ایک فلاحی ریاست ہو' جو اپنے باشندوں کی تمام بنیادی ضروریات کی کفیل ہو' تاکہ کوئی شخص بھی اِن ضروریات سے محروم نہ رہے۔ جو لوگ بے روزگار ہوں یا کسی اور سبب سے روزی کمانے کے قابل نہ ہوں' اُن کے لئے وظیفہ کا انتظام کیا جائے۔ افسوس کہ ہماری حکومتوں نے اِن میں سے کوئی بھی ذمہ داری نہیں لی۔ آج تو حال یہ ہے کہ حکمرانوں کو نہ تو لوگوں کو روزگار فراہم کرنے کی فکر ہے' نہ اُن کے علاج معالجے کی اور تعلیم کی۔ تعلیم کو کمرشل بنا دیا گیا ہے۔ ظالمانہ نظام کا نتیجہ ہے کہ عوام پر عرصۂ حیات تنگ ہو چکا ہے اور وہ ظلم کی چکی میں پس رہے ہیں۔

7۔ ساتویں نکتہ میں باشندگان ملک کے حقوق کا تذکرہ ہے۔ اِس میں تجویز کیا گیا:

"باشندگان ملک کو وہ تمام حقوق حاصل ہوں گے جو شریعت اسلامیہ نے ان کو عطا کیے ہیں۔ یعنی حدودِ قانون کے اندر تحفظ جان و مال و آبرو، آزادیٔ مذہب و مسلک، آزادیٔ عبادت، آزادی ذات، آزادی اظہار رائے، آزادیٔ نقل وحرکت، آزادیٔ اجتماع، آزادیٔ اکتساب رزق، ترقی کے مواقع میں یکسانی اور رفاہی اداروں سے استفادے کا حق۔"

اِس ملک میں جو شخص بھی رہ رہا ہے' خواہ وہ مسلمان ہو یا غیر مسلم' ریاست کے شہری ہونے کے ناطے اُس کی جان و مال اور عزت و آبرو کا تحفظ ریاست کی ذمہ داری ہے۔ بلاتمیز مذہب و مسلک ہر فرد کو آزادی عبادت' آزادی اظہار رائے' اور نقل وحرکت کا حق حاصل ہوگا۔ پھر یہ کہ نہ صرف مسلمان بلکہ غیر مسلم بھی اپنے مذہب پر عمل کرنے میں آزاد ہوں گے۔ کسی کو بھی مذہبی آزادی کے حق سے محروم نہیں کیا جائے گا۔ اِس کے علاوہ ہر شہری کو اکتساب رزق کی آزادی دی جائے گی اور اُس پر کوئی قدغن نہیں لگائی جائے گی کہ وہ فلاں محکمے میں جا سکتا ہے اور فلاں میں نہیں جا سکتا۔ اہلیت کی بنیاد پر کسی بھی ادارے میں اپنی خدمات انجام دے سکے گا۔

آٹھواں نکتہ ہے:

"مذکورہ بالا حقوق میں سے کسی شہری کا کوئی حق اسلامی قانون کی سند جواز کے بغیر کسی وقت سلب نہ کیا جائے گا اور کسی جرم کے الزام میں کسی کو بغیر فراہمی موقع صفائی وفیصلہ عدالت کوئی سزا نہ دی جائے گی۔"

مطلب یہ ہے کہ بنیادی حقوق اور آزادیاں اسلامی قانون کی سند جواز کے بغیر سلب نہ کی جا سکیں گی۔ اگر کوئی اسلامی قانون کی زد میں آ گیا' کسی نے جرم کا ارتکاب کیا' پھر تو اُس پر سزا یا حد نافذ ہوگی۔ لیکن ایسا کسی صورت میں بھی نہ ہوگا کہ نقص امن کا خطرہ ہو اور محض شک کی بنیاد پر کسی کو گرفتار کر لیا جائے۔ ابھی اُس شخص سے جرم سرزد ہی نہیں ہوا اور آپ پہلے ہی اُس کی آزادی کو سلب کر لیں۔ افسوس کہ یہ اندھیر نگری آج ملک میں عام ہے۔ سب سے پہلے پاکستان کا نعرہ لگانے والے حکمران لوگوں کی آزادیاں سلب کر رہے ہیں' اُن کے جان کے تحفظ کی بجائے' انہیں گرفتار کر کے خفیہ ایجنسیوں کے حوالے کر دیتے ہیں۔ یہ کہاں کا قانون اور کیسا انصاف ہے' جو بطور خاص فوجی حکمرانوں کے عہد میں عوام کو "میسر" آ رہا ہے۔ بہرحال عوام کی آزادیوں اور حقوق کا تحفظ اُسی صورت ہو سکے گا جب یہاں اسلامی نظام نافذ ہو جائے۔

9۔ نواں نکتہ حدودِ قانون کے اندر مسلکی آزادی سے متعلق ہے:

"مسلمہ اسلامی فرقوں کو حدودِ قانون کے اندر پوری مذہبی آزادی حاصل ہوگی۔ انھیں اپنے پیروؤں کو اپنے مذہب کی تعلیم دینے کا حق حاصل ہوگا۔ وہ اپنے خیالات کی آزادی کے ساتھ اشاعت کر سکیں گے۔ ان کے شخصی معاملات کے فیصلے ان کے اپنے فقہی مذہب کے مطابق ہوں گے اور ایسا انتظام کرنا مناسب ہوگا کہ ان کے قاضی یہ فیصلے کریں۔"

لوگوں کے شخصی معاملات کا فیصلہ اُن کی اپنی فقہ کے مطابق کیا جائے گا' جو حنفی المسلک ہوگا اُس کا فیصلہ حنفی فقہ کے مطابق اور جو اہلحدیث ہوگا اُس کا فیصلہ اُس کے اپنے مسلک کے مطابق ہوگا۔ وہ اپنے خیالات کی نشر و اشاعت میں آزاد ہوں گے۔

10۔ دسویں نکتہ میں غیر مسلموں کے خصوصی حقوق کا تذکرہ ہے:

"غیر مسلم باشندگان مملکت کو حدود قانون کے اندر مذہب وعبادت، تہذیب وثقافت اور مذہبی تعلیم کی پوری آزادی ہوگی اور انھیں اپنے شخصی معاملات کا فیصلہ اپنے مذہبی قانون یا رسم و رواج کے مطابق کرانے کا حق حاصل ہوگا۔"

یعنی غیر مسلموں کے عائلی معاملات اور وراثت کے مسائل وغیرہ اُن کے اپنے مذہب کے مطابق نمٹائے جائیں گے۔ اگر کوئی عیسائی ہے تو عیسائی مذہب کے مطابق' کوئی ہندو ہے تو ہندو مذہب کی بنیاد پر اور اگر کوئی پارسی اور یہود ہے تو انہی کے اپنے مذاہب کی رو سے فیصلے کئے جائیں گے۔ اُن کے شخصی معاملات کو ہرگز نہ چھیڑا جائے گا' البتہ چونکہ ریاست کا قانون قرآن وسنت پر مبنی ہوگا' اور یہ ریاست نظریاتی ہوگی' لہٰذا اِس میں انہی سماجی اقدار کو فروغ دیا جائے گا جو اسلامی نظریے سے ہم آہنگ ہوں گی۔

11۔ گیارھویں نکتہ میں کہا گیا:

"غیر مسلم باشندگان مملکت سے حدود شریعت کے اندر جو معاہدات کیے گئے ہیں، ان کی پابندی لازمی ہوگی اور جن شہری حقوق کا ذکر دفعہ نمبر 7 میں کیا گیا ہے ان میں غیر مسلم باشندگان ملک برابر کے شریک ہوں گے۔"

نکات 12 تا 22 (جن کی تشریح خطاب جمعہ کا وقت ختم ہو جانے کے باعث امیر محترم نہیں فرما سکے وہ) درج ذیل ہیں:

12۔ رئیس مملکت کا مسلمان مرد ہونا ضروری ہے جن کے تدین، صلاحیت اور اصابت رائے پر جمہور یا ان کے منتخب نمائندوں کو اعتماد ہو۔

13۔ رئیس مملکت ہی نظم مملکت کا اصل ذمہ دار ہوگا' البتہ وہ اپنے اختیارات کا کوئی جزو کسی فرد یا جماعت کو تفویض کر سکتا ہے۔

14۔ رئیس مملکت کی حکومت مستبدانہ نہیں بلکہ شورائی ہوگی' یعنی وہ ارکان حکومت اور منتخب نمائندگان جمہور سے مشورہ لے کر اپنے فرائض انجام دے سکتا ہے۔

15۔ رئیس مملکت کو یہ حق حاصل نہ ہوگا کہ وہ دستور کو کلاً یا جزواً معطل کر کے شوریٰ کے بغیر حکومت کرنے لگے۔

16۔ جو جماعت رئیس مملکت کے انتخاب کی مجاز ہوگی وہ کثرتِ آراء سے اسے معزول کرنے کی بھی مجاز ہوگی۔

17۔ رئیس مملکت شہری حقوق میں عامۃ المسلمین کے برابر ہوگا اور قانونی مواخذہ سے بالاتر نہ ہوگا۔

18۔ ارکان وعمال حکومت اور عام شہریوں کے لیے ایک ہی قانون وضابطہ ہوگا اور دونوں پر عام عدالتیں ہی اس کو نافذ کریں گی۔

19۔ محکمہ عدلیہ، محکمہ انتظامیہ سے آزاد ہوگا' تاکہ عدلیہ اپنے فرائض کی انجام دہی میں ہیئت انتظامیہ سے اثر پذیر نہ ہو۔

20۔ ایسے افکار ونظریات کی تبلیغ و اشاعت ممنوع ہوگی جو مملکت اسلامی کے اساسی اصول ومبادی کے انہدام کا باعث ہوں۔

21۔ ملک کے مختلف ولایات و اقطاع مملکت واحدہ کے اجزائے انتظامی متصور ہوں گے۔ ان کی حیثیت نسلی، لسانی یا قبائلی وحدہ جات کی نہیں بلکہ محض انتظامی علاقوں کی ہوگی۔ جنھیں انتظامی اختیارات کے پیش نظر مرکز کی سیادت کے تابع انتظامی اختیارات سپرد کرنا جائز ہوگا مگر انھیں مرکز سے علیحدگی کا حق حاصل نہ ہوگا۔

22۔ دستور کی کوئی ایسی تدبیر معتبر نہ ہوگی جو کتاب وسنت کے خلاف ہو۔

صوفی ازم کا حقیقی تصور

محترم ڈاکٹر اسرار احمد

اسلامی تہذیب اور اقدار کے خاتمے اور سب سے بڑھ کر دین اسلام کو بدنما بنانے کے لیے عالم کفر کے امام امریکہ کی سرپرستی میں انتہائی خطرناک سازشیں تجویز کی جارہی ہیں اور اس سلسلے میں اسلام اور مسلم دشمنی پر مبنی امریکی تھنک ٹینکس کی ساری قوتیں اور توانائیاں انہی ناپاک سازشوں کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کی حکمت عملی وضع کرنے پر صرف ہو رہی ہیں۔ امریکی تھنک ٹینکس کی کوشش ہے کہ دین اسلام کا کوئی ایسا جدید ایڈیشن تیار کیا جائے کہ جس میں شرم و حیا، عزت و عفت، چادر اور چار دیواری، خاندانی، معاشرتی اور سیاسی نظام کے تصورات کا عنصر سرے سے موجود ہی نہ ہو۔ انتہائی دکھ کی بات ہے کہ اکثر مسلم ممالک کے مسلمان حکمران اسلام کے اس نئے ایڈیشن کی تیاری میں عالم کفر کے دست و بازو بنے ہوئے ہیں اور ہمارے حکمران عوامی سطح پر اس نئے ایڈیشن کو روشن خیالی کے نام سے موسوم کر رہے ہیں۔

ایک امریکی تھنک ٹینک Rand Corporation کی ایک رپورٹ تین ابواب پر مشتمل ہے۔ اسلام کے "روشن خیال تصور" پر مبنی یہ رپورٹ انتہائی چشم کشا ہے۔ جس میں مسلمانوں میں موجود مختلف طبقات کا تجزیہ اور ان کے مابین فرق و تفاوت کی تفصیل، اسلام کے نئے ایڈیشن کے بارے میں تدابیر اور مسلمانوں کے اندر حرکی اور جہادی تصور کے خاتمے کے بارے میں حکمت عملی کو پیش کیا گیا ہے اور اسلام کے انقلابی (Radcial) تصور کو تحلیل کرنے کے لیے صوفی ازم کے فروغ و ترویج کو بطور نسخہ تجویز کیا گیا ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ پاکستان میں حکومتی سرپرستی میں ایک صوفی کونسل تشکیل دی گئی ہے اور کچھ عرصہ پیشتر صوفی ازم کی ترویج کے لیے ایک بین الاقوامی کانفرنس کا بھی انعقاد کیا گیا تھا۔ برطانوی ولی عہد پرنس چارلس نے بھی دورۂ پاکستان کے دوران ہر جگہ، امن و آشتی، رواداری، روشن خیالی اور اعتدال پسندی کے لیے صوفی ازم کے فروغ کو مسئلے کا حل قرار دیا۔ اس تناظر میں ضرورت اس امر کی ہے کہ اسلام کے تصور تصوف یا صوفی ازم کو سمجھا جائے کہ وہ کیا ہے؟

ہمارے معاشرے میں اولیاء اللہ، بزرگان دین یا صوفیاء کے بارے میں یہ تصور ہے کہ اللہ والا وہ ہوتا ہے جس کے ہاتھ میں تسبیح ہو۔ جائے نماز کندھے پر ہو، بدن پر گدڑی اوڑھی ہوئی لیکن نہ صرف غلبہ دین کی جدوجہد سے لاتعلق ہو بلکہ اس کا طرزِ عمل یہ ہو کہ اگر کوئی اُسے تھپڑ رسید کرے تو وہ دوسرا گال پیش کر دے یا جواب میں دعائیں دیتا ہو۔ یاد رکھیے' یہ تصوف اور طریقت نہیں۔ اسلامی تصوف کا موضوع اور مقصد جہالت سے نجات اور معرفت رب کا حصول، ثانیاً تزکیہ نفس، ثالثاً روح کو انوار الٰہی سے منور کرنا، رابعاً دنیا اور اس کی آسائشوں سے بے رغبتی اور خالق حقیقی سے مضبوط تعلق اور خامساً مخلوق الٰہی کی خدمت کرنا ہے۔ لہٰذا جہاں تک تصوف کے مقاصد اور موضوع کا تعلق ہے وہ عین دین ہے اور عین مطلوب ہے۔

تصوف کی جو اصطلاع ہمارے ہاں مروج ہے وہ غیر قرآنی ہے۔ کتاب و سنت میں تصوف کے لیے اہم اصطلاح "احسان" ہے جس کے معنی کسی سے حسن سلوک کرنا ہے یا بھلائی کرنا ہے۔ تصوف کے ماخذ کے بارے میں ہمارے ہاں جو چار آراء پائی جاتی ہیں کہ یہ لفظ عربی کے مادے سے اخذ کیا گیا' ان میں سے تین تو صد فیصد غلط ہیں چنانچہ ایک رائے ہے یہ کہ یہ لفظ "صفا" سے بنا ہے حالانکہ صرف و نحو کے کسی قاعدے کی رو سے "صفا" سے "صوفی" کا لفظ نہیں بنتا' اس سے "صفوی" بنے گا۔ دوسری رائے یہ ہے کہ تصوف کا لفظ صف سے بنا ہے لیکن یہ اس سے بھی ہرگز نہیں بن سکتا۔ صف کے ساتھ یائے نسبتی لگانے سے صَفّی بنتا ہے نہ کہ صوفی۔ تیسری رائے ہے کہ یہ "صفہ" سے بنا ہے۔ یہ بھی غلط ہے' کیونکہ "صفہ" سے "صُفّی" بنتا ہے۔ البتہ ایک رائے یہ ہے کہ اس کا مصدر "صوف" ہے۔ یہ بات ایک درجے میں قابل قبول ہے کیونکہ گرائمر میں صوف سے صوفی بن جاتا ہے۔ اس ضمن میں راقم کی رائے مختلف ہے کہ لفظ تصوف کا ماخذ یونانی لفظ "Sophio" ہے جو بعض علوم کے ساتھ لاحقے کے طور پر سامنے آتا ہے مثلاً Philosophy یا Theosophy وغیرہ۔ بہر حال غیر قرآنی اصطلاح کی وجہ سے کتاب و سنت کے شیدائیوں میں اس سے بُعد پیدا ہو گیا اور اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ شریعت اور طریقت میں تفریق ہو گئی حالانکہ اصلاً کوئی تفریق نہیں۔

اب ہم اپنے اصل موضوع کا جائزہ لیتے ہیں کہ کیا تصوف کا طریقہ منصوص و مسنون ہے؟ اور یہ کہ "دین کا اصل مخاطب فرد ہے۔" یعنی ہر انسان پر اصل ذمہ داری اس کی اپنی ہے یا دوسروں کو دعوت، تلقین، تبلیغ، نصیحت جو بھی ممکن ہو کرنا اس کے دینی فرائض میں شامل ہے۔ انسانی شخصیت کے اندر دو متحارب اور باہم مخالف اور متضاد عناصر اس کا نفس حیوانی اور اس کی روح ملکوتی ہے لہٰذا روح کو تقویت کے لیے سامان کیا جائے اور حیوانی عنصر کی تہذیب کے لیے تزکیہ کیا جائے۔ اس تزکیہ کا مقصد نفس کو فنا کر دینا نہیں بلکہ ضبط نفس یعنی Self control اور تزکیہ نفس یعنی Self Purification ہے اور یہ دونوں چیزیں مطلوب ہیں۔ اسلام میں نفس کشی یا Self annihilation کا کوئی مقام نہیں جبکہ روح کی تقویت کے لیے ذکر الٰہی ہے اور اس کا حاصل ایمان ہے اور ذکر الٰہی کے ضمن میں اہم ترین شے قرآن ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ یہ "الذکر" ہے یعنی کُل کا کُل ذکر یہی ہے۔ ذکر کا دوسرا ذریعہ نماز ہے اور اس کو بھی قرآن کے ساتھ ادا کرنا ہے۔ ذکر کا تیسرا ذریعہ اذکار مسنونہ اور ادعیہ ماثورہ ہیں یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جن اذکار کی تلقین کی ہے اور جو دعائیں آپ سے منقول ہیں' اور آپ کا روزمرہ کا معمول بھی تھیں۔ ان اذکار مسنونہ کو اپنی زندگی کا معمول بنانے سے ایمان کی شدت اور گہرائی میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ انسان منزل "تصوف یا احسان" کو پالے۔

انفرادی ہدف احسان کے حصول کے بعد اب اجتماعی ہدف انسان کے سامنے آتا ہے اور وہ ہدف ہے معاشرے میں جاری نظام ظلم کو ختم کر کے نظام عدل وقسط کو قائم کیا جائے' تاکہ زیادہ سے زیادہ تعداد میں انسان اسلامی تصوف یا احسان سے مستفید ہو سکیں۔ ذرا غور کیجیے کہ ایک شخص کس قدر خود غرض ہو گا کہ وہ برس ہا برس سے جنگلوں اور ویرانوں میں مخالفت نفس کے لیے مشقتیں جھیل رہا ہے، خود کو مانجھ رہا ہے' رگڑ رہا ہے اور دوسری جانب کروڑوں انسان مسلسل ظلم کی چکی میں پس رہے ہیں۔ انسانوں کی عظیم اکثریت کے لیے وہ موقع ہی میسر نہیں کہ کوئی اعلیٰ خیال یا اونچا نصب العین ان کے حاشیہ خیال میں گزر سکے۔ اگر کوئی اپنی روح کو نفس کی بیڑیوں سے آزاد کرانے کی کوشش کر رہا ہے تو دوسروں کو بھی ظلم اور استحصال سے نجات

دلانے کی جدوجہد کرے تا کہ وہ بھی ایمان کی دولت سے مستفید ہوسکیں۔ سیاسی جبر، معاشی استحصال اور معاشرتی اونچ نیچ پر مبنی اجتماعی نظام سے فرد کا متاثر نہ ہونا ممکن ہی نہیں ہے۔ حضورؐ کی حدیث ہے کہ ''فقروفاقہ، احتیاج اور افلاس انسان کو کفر تک پہنچا دیتے ہیں۔''

حقیقی صوفی ازم کے ضمن میں ایک اور نکتہ نوٹ کر لیں کہ خدمت خلق کی تین منزلیں ہیں۔ پہلی منزل بھوکوں کو کھانا کھلانا، ضرورت مندوں کی امداد کرنا، دوسری منزل خدمت خلق کے حوالے سے لوگوں کی عاقبت سنوارنے کی کوشش کرنا یعنی اللہ کی طرف بلانا۔ اس سے بڑی کوئی خدمت خلق ہو ہی نہیں سکتی کہ انسان دوسروں کی ابدی زندگی کی فلاح کے لیے کوشش کرے۔ خدمت خلق کی تیسری منزل یہ ہے کہ خلق خدا کو ظالمانہ نظام کے جبر و استحصال سے نجات دلانے کی کوشش کی جائے۔ صرف پہلی قسم کی خدمت کو کل سمجھ لینا دین کے تصور خدمت خلق کو محدود کرنے کے مترادف ہے۔ اس سلسلے میں اصل حکیمانہ قول حضرت شاہ ولی اللہؒ کا ہے۔ وہ فرماتے ہیں: ''جس معاشرے میں تقسیم دولت کا نظام غیر منصفانہ ہوگا وہاں ایک جانب دولت کے انبار لگیں گے، عیاشیاں ہوں گی، بدمعاشیاں اور خرمستیاں ہوں گی اور دوسری جانب فقر و احتیاج کا دور دورہ ہوگا اور انسانوں کی عظیم اکثریت بار برداری کے حیوانات کی مانند زندگی گذارنے پر مجبور ہو جائے گی۔ اللہ تعالیٰ سے امیر بھی غافل اور غریب اور محتاج بھی غافل، امیر بھی محروم اور محتاج بھی محروم۔ ان حالات میں نظام عدل اجتماعی کے قیام کے بغیر انسانوں کی عظیم اکثریت کے لیے روحانی ترقی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوسکتا۔'' (شائع شدہ جنگ)

دعائے صحت کی اپیل

☆ تنظیم اسلامی لاہور وسطی کے امیر جناب مجیب الرحمٰن قریشی کا ''ہرنیا'' کا آپریشن ہوا۔

رفقاء واحباب سے ان کی صحت کاملہ وعاجلہ کے لئے دعا کی درخواست ہے۔

دعائے مغفرت کی اپیل

☆ رفیق تنظیم حلقہ پنجاب شمالی نعیم احمد کی خوشدامن انتقال کر گئیں۔

☆ نارووال کے رفیق تنظیم عابد اکرام وفات پا گئے۔

☆ لاہور چھاؤنی کے رفیق تنظیم مرزا محمد حنیف کا انتقال ہوگیا۔

قارئین ندائے خلافت سے مرحومین کے لئے دعائے مغفرت اور پسماندگان کے لئے صبر جمیل کی درخواست ہے۔

قائد اعظم کی 11راگست 1947ء کی تقریر اور دستور پاکستان!

اراکینِ اسمبلی اور رہنمایانِ قوم کے لیے ایک لمحہ فکریہ

قومی اسمبلی میں ایک بل' قائمہ کمیٹی کے سپرد کیا گیا ہے کہ قائد اعظم کی 11راگست والی تقریر کو آئین کا حصہ بنایا جائے۔ بانیٔ پاکستان کی کسی تقریر کو آئین کا حصہ بنانے پر کسی کو کیا اعتراض ہوسکتا ہے۔ **لیکن سوال یہ ہے** کہ نظریۂ پاکستان کی وضاحت پر مشتمل قائد اعظم کی سینکڑوں تقاریر اور بیانات میں سے صرف اس ایک تقریر کو کیوں منتخب کیا گیا ہے جس کی تشریح اور تعبیر کے ضمن میں ملک کے اصحاب علم و دانش میں اختلاف رائے پایا جاتا ہے؟

25 جنوری 1948ء کو کراچی بار ایسوسی ایشن سے اُن کے خطاب کو **آئین کا حصہ کیوں نہ بنایا جائے** جو نہ صرف یہ کہ نہایت دوٹوک اور واضح ہے بلکہ قائد اعظم کے ان سینکڑوں بیانات کے ساتھ ہم آہنگ بھی ہے جو نظریۂ پاکستان کی وضاحت پر مشتمل ہیں۔ قائد اعظم نے فرمایا:

"He could not understand a section of the people who deliberately wanted to create mischief and propaganda that the constitution of Pakistan would not be made on the basis of Shariat."

''وہ یہ نہیں سمجھ سکے کہ لوگوں کا ایک گروہ جان بوجھ کر فتنہ پردازی سے یہ بات کیوں پھیلانا چاہتا ہے کہ پاکستان کا آئین شریعت کی بنیاد پر مدون نہیں کیا جائے گا''۔

اسی طرح 11 جنوری 1938ء کو ایک جلسۂ عام میں مسلم لیگ کے جھنڈے کو لہراتے ہوئے کہا تھا:

"We say this flag is the flag of Islam. They think we are introducing religion into politics- a fact of which we are proud. Islam gives us a complete code. It is not only religion but it contains laws, philosophy and politics. It contains everything that matters to a man from morning to night."

''ہم کہتے ہیں کہ یہ جھنڈا اسلام کا جھنڈا ہے۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم مذہب کو سیاست کے ساتھ مدغم کر رہے ہیں۔ یہ ایسی حقیقت ہے جس پر ہمیں فخر ہے۔ اسلام ہمیں مکمل ضابطہ حیات دیتا ہے۔ یہ صرف ایک مذہب نہیں ہے بلکہ اس میں قوانین' فلسفہ اور سیاست سب کچھ ہے۔ اس میں ہر وہ چیز موجود ہے جو ایک آدمی کو صبح سے رات تک درکار ہے۔''

پاکستان کی پہلی سالگرہ 14 اگست 1948 کو فرمایا:

''ہمیں دنیا کے سامنے ایک مثالی معاشی نظام پیش کرنا ہے جو انسانی مساوات اور معاشرتی انصاف کے سچے اسلامی تصورات پر قائم ہو۔ ایسا نظام پیش کر کے گویا ہم بحیثیت مسلمان اپنا فرض انجام دیں گے۔''

ہمیں یقین ہے کہ ان لوگوں میں سے بعض آج بھی زندہ ہوں گے جن کے سامنے قائد اعظم نے یہ تاریخی جملہ ارشاد فرمایا تھا کہ:

''مجھ سے لوگ پوچھتے ہیں کہ پاکستان کا آئین کیا ہوگا۔ میں ان سے کہتا ہوں کہ پاکستان کا آئین چودہ سو سال پہلے قرآن کی صورت میں تشکیل پا چکا ہے!''

اگر بانی و معمار پاکستان کی 11راگست 1947ء کی تقریر کو آئین کا حصہ بنانا ضروری ہے تو اس کے ساتھ مذکورہ بالا بیانات کو بھی ضرور جزوِ آئین بنایا جانا چاہیے۔

شعبہ نشر و اشاعت تنظیم اسلامی پاکستان

ای میل www.tanzeem.org/media@tanzeem.org

فون: 5869501-3

متحدہ مجلس عمل کا علماء و مشائخ کنونشن

نعیم اختر عدنان

متحدہ مجلس عمل کی' جس کا کوڈ نیم ''ایم ایم اے'' زیادہ مشہور و معروف ہے' پنجاب شاخ نے مقامی شادی ہال میں پنجاب کے چودہ اضلاع کے گدی نشینوں کا نمائندہ اجتماع منعقد کیا۔ اِس اجتماع میں متحدہ مجلس عمل کی مرکزی قیادت بھی شریک ہوئی۔ 10 بجے سے دوپہر 2 بجے تک کے دورانیے پر مشتمل یہ اجلاس حاضری کے اعتبار سے بہت بھرپور تھا۔ پرنٹ میڈیا اور الیکٹرانک میڈیا کے ارکان بھی بڑی تعداد میں موجود تھے۔ اس اجتماع کے لئے جو دعوت نامہ تقسیم کیا گیا' اس پر ''نفاذ نظام مصطفیٰ ﷺ کے لئے اہم اجتماع'' کے الفاظ درج کئے گئے تھے۔ ایم ایم اے میں شریک جماعتوں کے نمائندگان نے موجودہ حکومت کی روشن خیالی اور حب الوطنی پر مبنی جاری پالیسی پر شدید انداز میں تنقید کرتے ہوئے اِسے آڑھے ہاتھوں لیا۔ فوجی آمریت پر مبنی حکومت اور فوج کے سربراہ کو بیرکوں میں واپس جا کر دفاعی فریضہ ادا کرنے کی بات بھی ہوئی۔

کنونشن میں مرکزی قائدین کی گفتگو کا حاصل پیش کرنے سے قبل کچھ تمہیدی گزارشات پیش خدمت ہیں۔ امریکہ میں دنیا کو کنٹرول کرنے کے لئے کئی سطحوں پر بیک وقت منصوبہ بندی اور حکمت عملی مرتب ہوتی رہتی ہے۔ اِس منصوبہ بندی اور حکمت عملی کے لئے ''تھنک ٹینک'' قائم ہیں۔ انہی میں سے ایک کا نام ''رینڈ کارپوریشن'' ہے۔ تقریباً دو سال پہلے اِس امریکی تھنک ٹینک نے مسلمانوں کو چار گروپوں میں تقسیم کر کے اِن سے عہدہ برآ ہونے کی حکمت عملی بھی واضح کی۔ اِس رپورٹ کے مطابق مسلمانوں کا سب سے خطرناک گروہ وہ ہے جو ریڈیکل اسلام (انقلابی اسلام) کا علمبردار ہے۔ یہ طبقہ اِسلام کو ایک مکمل نظام حیات سمجھتا ہے۔ اِسے مسلمان ممالک کے اندر رائج و نافذ کرنے کی عملی جدوجہد میں بھی مصروف کار ہے۔ دوسرا گروہ سکہ بند علماء کا ہے' جسے امریکی تھنک ٹینک مغرب کے لئے بنیاد پرست عناصر کی طرح بڑا خطرہ نہیں سمجھتا مگر جب یہ طبقہ علمائے اِسلام کو غالب کرنے والی تحریکوں اور جماعتوں سے اتحاد کرلے تو یہ بھی ریڈیکل اِسلام والوں ہی کے زمرے میں شمار ہوگا۔ تیسرا گروہ مشائخ اور پیران کرام کا ہے' جسے وہ اپنے ہی کیمپ کے آدمی سمجھتے ہیں۔ صوفیائے کرام کے مزارات سے وابستہ طبقے کو آگے لانا اور انہیں زیادہ فعال بنانا' امریکہ پالیسی کا اہم ستون ہے۔ پاکستان میں روشن خیالی اور لبرل ازم کے فروغ کے ساتھ ''صوفی ازم' کو بھی فروغ دینے کے لئے حکومتی سطح پر صوفی کونسلوں کا قیام عمل میں آچکا ہے اور الیکٹرانک میڈیا پر صوفی ازم سے متعلقہ لوازمات کو مکمل مہارت کے ساتھ پیش کیا جا رہا ہے۔

ایم ایم اے کی قیادت نے اِس میدان میں بھی اپنی عملداری کا ثبوت فراہم کرنے اور علمائے کرام اور مشائخ عظام کو اپنے ساتھ ملانے کے لئے کامیاب پالیسی کی بنیاد رکھ دی ہے۔ گویا امریکی ایما پر صوفی ازم کے فروغ کا جواب دینے کے لئے ''ایم ایم اے'' نے اِس طبقے سے رابطہ و تعاون کا بھرپور آغاز کردیا ہے۔

> **امریکی ایما پر صوفی ازم کے فروغ کے نام پر ریڈیکل اسلام کی راہ روکنے کی تحریک کا جواب دینے کے لئے ایم ایم اے کی جانب سے علماء و مسائخ سے بھرپور رابطوں کا آغاز خوش آئند ہے**

علماء و مشائخ کنونشن کا کلیدی خطاب ایم ایم اے کے سیکرٹری جنرل مولانا فضل الرحمان کا تھا۔ مولانا نے مفصل خطاب کے ذریعے ایم ایم اے کی کارکردگی پیش کی۔ انہوں نے کہا کہ ایم ایم اے نے فرقہ ورانہ تعصبات اور گروہی و ملکی اختلافات میں گھری ہوئی قوم کو ایک مشترکہ پلیٹ فارم مہیا کر دیا ہے' جس سے فرقہ ورانہ ہم آہنگی کو فروغ ملا ہے۔ یہ ایم ایم اے کا ایک بہت بڑا کارنامہ ہے۔ مولانا نے اِس کو رحمت' محبت اور دعوت و تبلیغ کا نظام قرار دیا اور کہا کہ اِسلام کے سراپا اور مجسم رحمت دین میں باہمی نفرت اور دشمنی و عداوت کی کوئی گنجائش نہیں۔ انہوں نے یہود و نصاریٰ کے بارے میں کہا کہ دونوں اقوام نہ تو آخری نبی ﷺ کی رسالت کو مانتی ہیں اور نہ ہی آخری وحی کو وحی ربانی تسلیم کرتی ہیں' جبکہ مسلمان امت حضرت عیسیٰؑ اور حضرت موسیٰؑ سمیت تمام انبیاء پر ایمان رکھتی ہے' مسلمان اِن کی مذہبی کتابوں تورات' انجیل اور زبور کو مقدس کتابیں سمجھتے ہیں اور اِن کے وحی الٰہی ہونے پر ایمان رکھتے ہیں (البتہ انہیں محرّف سمجھتے ہیں)' مگر اِس کے باوجود تنگ نظر' رجعت پسند اور تاریک خیال کہلاتے ہیں اور حق و صداقت کا انکار کرنے والے خود کو وسیع النظر' روشن خیال اور ترقی پسند قرار دیتے ہیں۔ مولانا فضل الرحمان نے کہا کہ ہر ملت اور مذہب کے پیروکاروں کا یہ بنیادی حق مانا جاتا ہے کہ وہ اپنے عقیدہ اور مذہب میں عمل کرنے میں مکمل طور پر آزاد ہیں مگر اسلامی ممالک کی غالب اکثریتی آبادی میں بھی مسلمانوں کے اِس حق کو مغربی دنیا تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہے۔ اِسے ستم ظریفی ہی کا نام دیا جا سکتا ہے۔ بقول شاعر ع

خرد کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

مولانا فضل الرحمٰن نے سرحد حکومت کا دفاع کرتے ہوئے کہا کہ ہم نے صوبہ سرحد میں آئین کے دائرے کے اندر رہ کر اِسلامی نظریاتی کونسل کی متفقہ منظور کردہ سفارشات سے اپنے اہداف کا آغاز کیا ہے۔ سرحد اسمبلی نے شریعت بل کی باقاعدہ منظوری دی اور سرحد پاکستان کا واحد صوبہ ہے' جس میں قرآن و سنت کو سپریم لاء کا درجہ حاصل ہے۔ حسبہ بل بھی آئینی حدود میں رہ کر نفاذِ اسلام کی کوشش ہے جو سپریم کورٹ کے ذریعے مسدود کر دی گئی۔ شراب نوشی کے لائسنس جو ماضی میں ہوٹل مالکان کو دیئے گئے تھے' منسوخ کر دیئے گئے ہیں' سڑکوں اور گزرگاہوں میں ہورڈنگز اور بل بورڈز کے بارے میں جامع پالیسی بنا کر اسے پورے صوبہ میں نافذ العمل کر کے فحاشی و عریانی کے انسداد کی کامیاب کوشش کی گئی۔ اِس طرح سینماؤں کے اندر فحش اور مخربِ اخلاق فلمیں دکھانے پر بھی پابندی عائد کی گئی ہے۔ گداگری کے خاتمے اور منشیات کے عادی افراد کے لئے ''دارالکفالہ'' کے نام سے کئی مراکز کام کر رہے ہیں' جنہیں بتدریج پورے صوبہ میں قائم کیا جا رہا ہے۔ طویل قید کاٹنے والے مجرم قیدیوں کی اصلاح کی طرف بھی بھرپور توجہ دی گئی ہے اور شادی شدہ قیدیوں کو چار ماہ کے وقفے سے بیوی سے خوشگوار اور محفوظ ماحول میں ملاقات کی سہولت بھی دی گئی ہے۔ مولانا نے بتایا کہ صوبہ سرحد دنیا کا واحد خطّہ ہے' جہاں قیدیوں کو یہ سہولت بہم پہنچائی گئی ہے۔ انہوں نے بتایا کہ صوبہ کی سطح پر مخلوط تعلیم کا خاتمہ کر دیا گیا۔ جس سے طالبات کی تعلیم حاصل

کرنے کی شرح میں 26% اضافہ ہوا ہے۔ خواتین کی علیحدہ یونیورسٹی کا قیام عمل میں لایا گیا۔ اسی طرح خواتین کے لئے میڈیکل کالج بھی قائم دیا گیا۔ انہوں نے بتایا کہ خواتین کو صحت مندانہ تفریح مہیا کرنے کے لئے ''خواتین سپورٹس ڈائریکٹوریٹ' بھی قائم کیا گیا' جہاں تمام مناصب پر خواتین ہی کو تعینات کیا گیا ہے۔ انہوں نے بتایا 70 سال کے عمر رسیدہ خواتین و حضرات کے لئے 1500 روپے ماہانہ وظیفہ کا اجرا صوبائی حکومت کا اہم قدم ہے۔ وفاقی تعلیمی پالیسی پر تنقید کرتے ہوئے انہوں نے بتایا کہ صوبہ سرحد اور بلوچستان کی وزارت تعلیم نے اسلامیات کے مضمون کے وفاقی نصاب کو مسترد کر دیا ہے۔ علاوہ ازیں صوبہ سرحد کا کوئی تعلیمی ادارہ آغا خان بورڈ سے الحاق کرنے کا مجاز نہیں۔ مولانا فضل الرحمٰن نے شرکاء کو بتایا کہ غریب عوام پر ناروا' بے جا اور غیر ضروری ٹیکسوں میں سے بھی بعض کو ختم کر کے عوام کو سہولت بہم پہنچائی گئی ہے۔ مولانا نے پرویز مشرف کی خارجہ اور داخلہ پالیسیوں کے غلط ہونے کا بھی ذکر کیا۔

علماء و مشائخ کنونشن سے متحدہ مجلس عمل کے صدر قاضی حسین احمد نے بھی خطاب کیا۔ قاضی صاحب کا خطاب عمومی ہدایات اور فکری رہنمائی پر مشتمل تھا۔ قاضی صاحب نے علامہ اقبال کے فارسی اشعار کے ذریعے شرکاء کو ''نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسم شبیریؓ'' کا پیغام دیا۔ انہوں نے کہا کہ عوام انقلابی تبدیلی کے آرزومند ہیں۔ قاضی صاحب کی بات بجا ہے' مگر اہم سوال یہ ہے کہ عوام کی انقلابی تبدیلی کی خواہش پاکستان جیسے ملک میں کیسے پوری ہوگی؟ کیا انتخابات کے ذریعے اسلامی نظام نافذ ہو سکے گا۔ اکابرین مجلس کو اپنی دینی جدوجہد کی تاریخ کے تجزیے کی روشنی میں اِس سوال کا جواب ضرور تلاش کرنا چاہیے۔

میٹرک کے امتحانات سے فارغ طلبہ کے اوقات کا بہترین مصرف

قرآن کالج

191۔ اتاترک بلاک' نیو گارڈن ٹاؤن' لاہور

کے زیرِ اہتمام اِس سال

اسلامک جنرل نالج ورکشاپ

کا انعقاد...... 28 مئی تا 30 جون 2007ء...... ہوگا' ان شاء اللہ!

اوقات: صبح 8:30 تا دوپہر 12.10 بجے روزانہ

مضامین:

1) تجوید و ناظرہ
2) مطالعہ قرآن حکیم
3) مطالعۂ حدیث
4) تعارف ارکان اسلام' مسائل نماز
5) کمپیوٹر EDP
6) بنیادی انگلش گرامر پر خصوصی لیکچرز

کورس کے اختتام پر کامیاب طلبہ میں اسناد تقسیم کی جائیں گی۔

ہاسٹل میں محدود سہولت دستیاب ہے۔ ہاسٹل میں مقیم طلبہ کو شام کے اوقات میں بھی مصروف رکھنے کا اہتمام ہوگا۔ ان شاء اللہ!

نوٹ: کورس فیس 500 روپے جبکہ ہاسٹل میں مقیم طلبہ کیلئے زرِطعام و رہائش 1800 روپے

ان مستحق طلبہ کے لئے جو واجبات ادا نہ کر سکتے ہوں' خصوصی رعایت کی سہولت

المعلن: پروفیسر طارق مسعود' پرنسپل قرآن کالج (فون: 042-5833637)

بقیہ: ایک میرے کرنے سے کیا ہو جائے گا؟

جس معاشرے میں مجرم علانیہ دندناتے پھریں اور انہیں پکڑنے اور سزا دلانے کی کوشش کرنے والا خود کو مجرم محسوس کرنے لگے' اور ملزم کے سلاخوں کے پیچھے پہنچتے ہی لوگوں کی نگاہ سے اس کے سنگین ترین جرائم دھل جائیں اور ان کی رہائی کے لئے اپنے دل میں نرم گوشہ پیدا کر لیں' اس معاشرے کو چوروں' ڈاکوؤں اور رذیلوں' کمینوں ہی کے رحم و کرم پر ہونا چاہیے اور ہمارے ہاں ایسا ہی ہے۔ یہ سب نتیجہ ہے ہماری بزدلی' کم ہمتی' اخلاق باختگی اور بے حسی کا۔ حالات انتہائی ابتر ہیں' اور حالات چیخ چیخ کر یہی الفاظ دہرا رہے ہیں اور یہ الفاظ کسی اور کے لئے نہیں ہمارے لیے ہیں کہ ہم کیا تھے اور کیا ہو گئے ہیں اور ابھی مزید کس حالت کو پہنچیں گے؟

ہمیں اپنے انسان ہونے پر فخر ہے اور اتنے گئے گزرے وقتوں میں بھی ہماری یہ تمنا ابھی مری نہیں کہ ہم اچھے انسان بن جائیں' اچھے پاکستانی بن جائیں۔ یہ اس مالک کا فضل ہے کہ ہمارے دین میں اللہ تعالیٰ نے انقلاب کا دروازہ کھلا رکھا ہے اور وہ ہے اتباعِ سنت کا دروازہ۔ اگر ہم پیغمبر ﷺ کا اتباع کریں گے تو اپنی انفرادی اصلاح بھی ہوگی اور اسلامی انقلاب کے لئے بھی راہ ہموار ہوگی۔

جب ہم نے اتباعِ رسول ﷺ کا عزم مصمم کر لیا تو ہمارے اندر تبدیلی آ جائے گی' پھر ہم ہرگز نہیں کہیں گے کہ ایک میرے کرنے سے کیا ہو جائے گا۔ ہم کہیں گے' کوئی کرے یا نہ کرے مجھے تو بہرحال کرنا ہی ہے' کیونکہ میں اپنے مالک کے سامنے اپنے ہر عمل کے لئے جواب دہ ہوں۔

اہم اطلاع

احباب کی سہولت کے لیے مکتبہ خدام القرآن نے ہوم ڈیلیوری کی سہولت فراہم کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ قارئین و احباب کو مطلع کیا جاتا ہے کہ وہ اب مکتبہ کی DVDs/CDs اور کتب و کیسٹس گھر بیٹھے طلب کر سکتے ہیں۔

برائے خریداری و معلومات:

فون: 8482000 (92-42)

ایک میرے کرنے سے کیا ہو جائے گا!

محمد حسین

یہ کہہ کر کہ میرے کرنے سے کیا ہو جائے گا' سب لوگ اصلاح معاشرہ کی ذمہ داری سے الگ ہو جائیں تو یہ کام کرنے کے لئے کیا آسمان سے فرشتے اُتریں گے؟ اللہ تعالیٰ اسی قوم کی حالت بدلتا ہے جو اپنی حالت کو بدلنے کے لئے کچھ کرنے پر تیار ہو جائے۔ کچھ کرنے کے لئے دوسروں کا منہ دیکھتے رہنا اور اپنی بے عملی کا جواز دوسروں کی بے عملی میں ڈھونڈنا' یہ سخت نالائقی کی بات ہے۔

کچھ ایسے لوگ جو کچھ کرنے کے لیے تیار ہوتے ہیں' پوچھتے ہیں' ہم کیا کریں؟ گویا وہ اس بات کے منتظر رہتے ہیں کہ کوئی مسیحا آ کر انہیں کرنے والے کام کی ایک فہرست بنا کر پیش کرے گا' مگر ہر وہ ذمہ داری جو باہر سے تھوپی جائے گی' بے پروائی کا شکار ہو جائے گی۔ ہماری قوم میں وقت ضائع کرنے کی عادت ایک مرض بن چکی ہے۔ اس عادت کو ختم کرنے کے لئے ہمیں اپنے آپ سے لڑنا چاہیے۔ کوئی بھی ایسی مصروفیت جس کا کوئی مقصد نہ ہو' وقت کا زیاں ہے۔ اس مصروفیت کو ترک کرنا ضروری ہے۔ اس لیے کہ وقت وہ چیز ہے جس کی قرآن میں اللہ تعالیٰ نے قسم کھائی ہے۔ اگر ہم وقت کو ضائع کر دیں تو وقت ہم سے کیا انتقام لے گا' یہ اندازہ ہم خوب کر سکتے ہیں۔ آپ نے دیکھا ہو گا کہ جو لوگ وقت ضائع کرتے ہیں' بالآخر وقت اُن کو ضائع کر دیتا ہے۔

ہمارے اندر ایک اور خرابی جو پیدا ہو چکی ہے وہ یہ ہے کہ ہم احساس تنہائی کا شکار ہو چکے ہیں۔ ہم اپنے معاشرے سے کٹ کر رہ گئے ہیں' اپنے لوگوں سے کٹ گئے ہیں۔ اب ہر شخص ایک جزیرہ ہے' ایک ایسا جزیرہ جس تک پہنچنا ناممکن نہیں تو دشوار ضرور ہے۔ ہم اپنے سچے احساسات کو چھپانے لگے ہیں۔ ہم جو محسوس کرتے ہیں اس کا برملا اظہار نہیں کرتے' کیونکہ ہم خواہ مخواہ کسی کو ناراض نہیں کرنا چاہتے۔ ہم چاہتے ہیں کہ سب ہم سے خوش رہیں' کیونکہ عافیت اسی میں ہے' مصلحت اور مفاد اسی میں ہے' کیونکہ ہمیں کسی وقت بھی کسی کی ضرورت پڑ سکتی ہے۔ اگر ہم دوسروں کو ناراض کر دیں گے تو وقت پڑنے پر کوئی ہماری مدد نہیں کرے گا۔ یہ ایک ایسا خوف ہے جس سے بچنے کے لئے ہم جھوٹ بولتے ہیں' منافقت کرتے ہیں' دوسروں کی جھوٹی تعریف کرتے ہیں' ان کی ہاں میں ہاں ملاتے ہیں اور یوں اپنے مفاد کی خاطر سچائی سے منہ موڑ لیتے ہیں۔ اس بری عادت نے ہمیں اندر سے کمزور کر دیا ہے۔ ہم خود اپنی نگاہوں میں چھوٹے ہو گئے ہیں۔ ہمارا مفاد ہم سے بڑا ہے اور یہی مفاد ہے جو ہر ایسے موقع پر جب ہمیں بڑھ کر اپنا کردار جرأت مندی سے ادا کرنا چاہیے' ہمیں کچھ کرنے سے روک دیتا ہے اور تب ہم معذرت خواہانہ لب و لہجے میں کہتے ہیں کہ جب سارا معاشرہ ہی بگڑ گیا ہو تو ایک میرے کرنے سے کیا ہو جائے گا۔

ایک میرے کرنے سے اگر اور کچھ بھی نہ ہوا تو اتنا تو ہو ہی جائے گا کہ میں اپنے فرض سے سبکدوش ہو

ایک میرے کرنے سے اگر اور کچھ بھی نہ ہوا تو اتنا تو ہو ہی جائے گا کہ میں اپنے فرض سے سبکدوش ہو جاؤں گا اور ایک میرے کرنے سے کر گزرنے کی ایک اور مثال قائم ہو جائے گی' جو دوسروں کو عمل کی دعوت دے گی

جاؤں گا اور ایک میرے کرنے سے کر گزرنے کی ایک اور مثال قائم ہو جائے گی' جو دوسروں کو عمل کی دعوت دے گی۔ کچھ نہ کرنے کی ایک سو معذرتیں ہو سکتی ہیں لیکن کرنے کا جواز یہی ہے کہ یہ ایک ذمہ داری ہے جو ہر شخص پر عائد ہوتی ہے اور اس میں اگر مگر کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ برے کو برائی سے روکنا ہماری ذمہ داری ہے۔ خائن کی خیانت کی نشان دہی کرنا ہماری ذمہ داری ہے۔ ملک کو نقصان پہنچانے والوں کو روکنا ہماری ذمہ داری ہے۔ ہم یہ کہہ کر اپنی ذمہ داری سے نہیں بچ سکتے کہ ایک ہمارے کرنے سے کیا ہو گا۔ ساٹھ سال سے ہم یہی کہہ کر اپنی ذمہ داریوں اور فرائض سے غفلت برت رہے ہیں۔ چنانچہ اب نوبت یہاں تک آ پہنچی ہے کہ ہمارے پاس اب مزید غفلت برتنے اور مزید کوتاہی کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اگر اب بھی ہم نے یہی کہہ کر اپنی جان چھڑانے کی کوشش کی تو ہو سکتا ہے کوئی بھی آئے اور کہے کہ جب تمہارے کرنے سے کچھ نہیں ہوتا تو تمہارے زندہ رہنے کا بھی کیا فائدہ ہے۔ اور پھر اس کا آہنی ہاتھ اٹھے اور ہماری کمزور گردن توڑ کر رکھ دے۔ ہاں' وہ وقت دور نہیں۔ لیکن ہم وہ وقت آنے ہی کیوں دیں۔ ہم کیوں نہ اپنی ذمہ داریوں کو محسوس کریں اور ہر ایسے موقع پر جب ہمیں اپنا کردار ادا کرنا ہو ڈٹ کر کہیں کہ اگر کچھ ہوا تو ہمارے ہی کرنے سے ہو گا اور یہ کہ کچھ نہ کرنے سے کرنا بہتر ہے۔ یہ اپنی بے عملی اور اپنی بزدلی اور اپنی مصلحت پسندی کو ختم کرنے کا سب سے زیادہ بہترین طریقہ ہے۔

کیسی عجیب بات ہے کہ ہم زندہ ہوتے ہوئے بھی مُردوں کی طرح زندگی گزار رہے ہیں۔ کوئی بڑے سے بڑا واقعہ ہماری آنکھوں کے سامنے ہو جاتا ہے' لیکن کسی کی ہمت نہیں ہوتی کہ آگے بڑھ کر اس موقع پر اپنا فرض ادا کرے۔ افسوس کہ منکرات اور برائی کے طوفان کے خلاف ہم عملی جدوجہد کی ہمت نہیں رکھتے۔ ایسا کب تک ہوتا رہے گا۔ کوئی تو ہو جو رشوت مانگنے پر مانگنے والے کو گریبان سے پکڑے۔ کوئی تو ہو جو مجرمانہ غفلت برتنے والے ڈاکٹر کو عدالت میں کھینچ لائے۔ کوئی تو ہو جو بسوں میں غلیظ فلمی گانوں کو بند کروا سکے۔ کوئی تو ہو جو کسی افسر کی فرعونیت پر احتجاج کر سکے۔ ہو سکتا ہے اس کا احتجاج رائیگاں جائے' لیکن اس سے کم از کم ایسے لوگوں کو کسی حد تک لگام تو پڑے گی۔ انہیں کسی درجے پر یہ احساس تو ہو گا کہ وہ سب کچھ کرنے میں آزاد نہیں ہیں' وہ کسی نہ کسی کے سامنے جواب دہ ہیں۔ ان کی غلط حرکت پر اعتراض کیا جا سکتا ہے اور ضرورت پڑنے پر اُن کا ہاتھ بھی پکڑا جا سکتا ہے۔

ہم اسی طرح برائی کو روک سکتے ہیں۔ ہم اسی طرح اپنے ماحول کو صاف ستھرا بنا سکتے ہیں۔ ہم اسی طرح اپنے معاشرے کو اپنے بچوں کے رہنے کے قابل بنا سکتے ہیں۔ ورنہ کیا ہو گا' وہ وقت آ جائے گا جب ہم یہ وصیت کر کے اس دنیا سے رخصت ہوں گے کہ میرے بچو! مجھ سے نہ ہو سکا' لیکن اگر تم سے ہو سکے تو یہ ملک چھوڑ دو' اس ماحول سے نکل جاؤ کہ یہ اب رہنے کے قابل نہیں ہے۔ اور وقت آنا کیا وہ وقت تو ہمارے سامنے آ چکا ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ ملک کو اس حال تک کس نے پہنچایا۔ ہمارے پاس لگا بندھا جواب ہو گا کہ حکومتوں نے' سیاستدانوں نے اور طالع آزما رہنماؤں نے۔ پوچھا جائے کہ سیاستدانوں کو اسمبلیوں میں کس نے پہنچایا ہے۔ حکومتوں کو سب کچھ کرنے اور نئے نئے قانون بنانے کے لئے آزاد کس نے چھوڑا ہے۔ (باقی صفحہ 10 پر)

قومی حمیت یا اسلامی حمیت

سید قاسم محمود

عالمِ اسلام میں مذہب اور سیکولرازم کے درمیان معرکہ آرائی اور اس کے نتیجے میں اسلام پسندوں اور مغرب نوازوں میں کشمکش دراصل دو مختلف و متضاد تہذیبوں کے افکار و اقدار کا نتیجہ تھی۔ شیخ بدیع الزماں سعید نورسی سے سوال کیا گیا کہ قومی حمیت اور اسلامی حمیت میں تصادم ہو تو کس کو ترجیح دی جائے تو انہوں نے کھل کر اسلامی موقف کی حمایت کی۔ چنانچہ سلطان رشاد نے جب روم کی سیاحت کی اور شیخ کو مشرقی ولایات کے نمائندے کی حیثیت میں اپنے ساتھ لے گیا تو ٹرین کے سفر میں اُن کے دوسرے دو رفیقوں نے یہ نازک مسئلہ چھیڑ دیا۔ شیخ نے فرمایا:

''ہم مسلمانوں کے نزدیک دین اور قومیت اپنی ذات میں متحد ہیں' بلکہ دین قومیت کی زندگی اور اس کی رُوح ہے۔ جو لوگ ان میں تفریق کرتے ہیں' اُن کے نزدیک دینی حمیت عوام و خواص سب پر محیط ہوتی ہے' جبکہ قومی حمیت ایک فی صد کے ساتھ مخصوص ہوتی ہے۔ ہم مسلمانوں کے نزدیک دینی احساس ہی دلوں پر حکمرانی کرتا ہے۔ تقدیر ازلی نے تمام انبیاء کو مشرق میں مبعوث کر کے یہ اشارہ دیا ہے کہ دینی و مذہبی احساس ہی نے مشرق کو بیدار اور بلند کیا ہے اور اسی سے اس کی ترقی و ہوش مندی وابستہ ہے۔ مذہبی حمیت ہی ہماری مستحکم رسی ہے۔ یہی ہمارا مضبوط بندھن ہے اور یہی وہ نورانی سلسلہ ہے جو ہمیں منظم کرتا ہے۔''

دونوں رفیقوں نے اس پر دلیل کا مطالبہ کیا تو شیخ نے ٹرین میں بیٹھے بیٹھے' اتفاق سے ایک بچے کو دیکھا جو ریلوے کی پٹڑی کے ساتھ ساتھ کھیل رہا تھا۔ اُس بچے کی عُمر تقریباً چھ سال کی رہی ہو گی۔ شیخ نے اپنے دونوں رفیقوں سے کہا: ''اس بچے نے لِسانِ حال سے تمہارے سوال کا جواب دیا ہے۔ وہ اِس خوفناک زمینی گاڑی کی گزرگاہ سے ذرا فاصلے پر کھیلنے میں مصروف ہے' جو اپنی ہولناک آواز اور چیخ و پکار سے گویا اعلان کر رہی ہے کہ تباہی ہے' بربادی ہے اُس شخص کے لیے جو میرے سامنے آئے اور میرا مقابلہ کرے۔ اِس چیلنج کے باوجود یہ بچہ پوری آزادی اور جرأت کے ساتھ راستے کے کنارے کھڑا ہے' گویا اُسے ٹرین کی کوئی فکر نہیں ہے اور اِس گاڑی کی چیخ و پکار' خوفناک آواز اور رعب و دبدبہ کا یہ کہہ کر مذاق اُڑا رہا ہے کہ اے ٹرین! تُو مجھے خوفزدہ نہیں کر سکتی۔ تُو ایک نظام کی پابند ہے۔ تیری لگام تیرے ڈرائیور کے ہاتھ میں ہے۔ یہ تیرے بس میں نہیں ہے کہ مجھ پر ظلم کر سکے۔ تُو اپنے رب کی اجازت سے اپنی راہ لے۔ اس بچے کے مقابلے میں رستم ایرانی اور ہرقل یونانی کی طرح کے عظیم پہلوانوں کو دیکھئے۔ وہ دونوں اِس ٹرین کے نظام اور طریق کار سے ناواقف تھے۔ انہوں نے دُور سے ٹرین کو حملہ آور ہوتے یا کسی سرنگ سے نکلتے دیکھا تو زبردست قوت و شجاعت کے باوجود وہ ٹرین کی گزرگاہ سے ہزاروں گز دُور بھاگ کھڑے ہوئے۔ ٹرین کے چیلنج سے وہ پژمُردہ ہو گئے اور اُن کی جسارت کافور ہو گئی اور بداعتقادی کی وجہ سے اُسے مطیع گدھا سمجھنے کی بجائے خونخوار شیر تصور کر لیا۔ اِن دونوں عظیم سُورماؤں کے مقابلے میں وہ بچہ زیادہ جری و بہادر اور آزاد و خودمختار اس لیے ہے کہ اس کے قلب میں حقیقت اور سچائی کا تخم موجود ہے۔ ہماری زندگی کا بھی ایک نگران اور ڈرائیور ہے جو ایک نظام کے تحت اسے رواں دواں رکھتا ہے۔ جس چیز نے سورماؤں کو خوفزدہ کیا' وہ دراصل یہ حقیقت تھی کہ اُنہیں اِس گاڑی کے نظام اور اس کے ڈرائیور سے ناآشنائی اور بے اطمینانی تھی۔''

> مغربی ممالک میں مذہب اور مذہبی احساس کے خلاف جو نفرت و عداوت کی فضا پروان چڑھی' اُس کی وجہ عیسائیت اور خصوصاً کیتھولک چرچ ہے جس نے یورپ میں بڑے ہولناک داخلی فتنے اور اضطرابات اور بغاوتیں جنم دیں۔ عالمِ اسلام میں دین کے حوالے سے باہمی عداوت اور طبقاتی تصادم کبھی نہیں ہوا۔ اس نمایاں فرق کے باوجود اگر مسلمانوں نے یورپ کی روش اختیار کی تو عالمِ اسلام آئندہ ہزار سال تک اضطراب و انتشار کا شکار رہے گا

اِس مثال کے ذریعے شیخ نے اپنے رفیقوں کو سمجھایا کہ اِس کائنات کو دیکھو' کتنے ستارے' سیارے' اجرامِ فلکی اور حادثات و واقعات رونما ہوتے رہتے ہیں۔ یہ سب گویا بری و بحری کشتیاں اور سواریاں ہیں جن کی نکیل قدرت کے ہاتھ میں ہے۔ معنوی دنیا میں اس کی نظیریں اور مثالیں موجود ہیں۔ یہ محوِ پرواز سیارے اپنے مسلسل اندرونی حادثات اور دھماکوں کے سبب وہم و تشکیک کے علم برداروں کو چیلنج کرتے رہتے ہیں۔ غور کرنے کی بات ہے کہ کائنات کے استبداد اور اُس کے خوف کے وہم سے انسان کو نجات دلانے والی چیز اُس کا یہ ایمان ہے کہ ہر چیز تقدیر کی پابند ہے۔ ہر فرد تقدیرِ الٰہی کے مطابق ہی مصروفِ عمل ہے۔ جو شخص دینِ حق کی اِس حقیقت سے محروم ہوتا ہے' وہ لازمی طور پر مضمحل اور ضعیف القلب ہوتا ہے۔ اُس کی ہمت و جسارت ختم ہو جاتی ہے۔ اس کا وجدان پراگندہ ہو جاتا ہے اور وہ کائنات اور اُس کے واقعات و حوادث کا ایسا اسیر ہو جاتا ہے کہ اُسے احساس تک نہیں ہوتا۔ اس سے ثابت ہُوا کہ حُریت و شجاعت کے تمام کلمات کی بنیاد دینِ حق کے سوا کچھ نہیں۔ آخر میں وہ کہتے ہیں:

> ''تم دیکھتے نہیں کہ اِس حقیقت کا ایک شعلہ جب نُورِ اسلام سے مُنوّر' اسلامی فوج کے قلب میں فروزاں ہُوا تو ہماری فوج ترقی کے اِس درجے پر پہنچ گئی' جس میں ہر شخص نے لشکرِ اسلام میں معنوی قوت کی کثرت و غلبہ کا اعتراف کیا' جبکہ سینکڑوں سال سے ہماری سلطنت زوال و انحطاط کا شکار رہی ہے۔ یہ شعلہ وہ دینی احساس تھا جس نے فوج سے کہلوایا کہ ''جہاد میں زندگی بھی ہے اور خوشحالی و سعادت بھی۔ اگر موت آئی تو شہادت کی سعادت میسر ہو گی اور اگر فتح و غلبہ سے ہمکنار ہوئے تو غازی ہوں گے۔''

تہذیبِ جدید اور جہادِ اسلامی

شیخ کے دونوں رفیقوں نے یہ سوال بھی کیا کہ جدید مغربی تہذیب مذہبی جہاد کی اجازت نہیں دیتی۔ پھر دونوں میں موافقت کیسے پیدا ہو گی؟ شیخ نُورسی نے اس کے جواب میں فرمایا: ''تہذیبِ جدید غیر قانونی وسائل و ذرائع کو دفاع کے لیے اختیار کرنے کی اجازت دیتی ہے' پھر اُس جہاد کی اجازت کیوں نہیں دیتی' اور اس کے لیے ہمت افزائی کا ماحول کیوں نہیں بناتی' جو سب سے مستحکم شریعت اور بہترین قانون ہے؟ دنیا میں جب تک بُرائی کا وجود ہے' نیکی اُس سے جہاد کرتی رہے گی۔ جہاد ازلی و ابدی حکم ہے۔ پھر ہمارا موقف اور طرزِ عمل دفاع کا ہے' جارحیت کا نہیں۔ ہمارے دین کی اساس بھی یہی بتاتی ہے کہ دین کے معاملے میں کوئی زور زبردستی نہیں ہے۔ لَاۤ اِكْرَاهَ فِی الدِّیْنِ۔ نیز فرمایا: ''تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَیْنَنَا وَ بَیْنَكُمْ آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں ہے۔ یہ شرعی حکم ہمیں مدافعت کی

پوزیشن میں کھڑا کر دیتا ہے۔ لفظ "تعالوا" سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ ہمارا اوّلین فریضہ معاہدۂ اتفاق اور مفاہمت کی طرف دعوت دینا ہے...... اس کے بعد ہم جہاد کا آغاز کریں۔"

شیخ نُورسی نے قومی حمیت کے مقابلے میں اسلامی حمیت کی فضیلت و برتری کے اظہار و اثبات کے لیے ایک حکایت بھی بیان کی۔ انہوں نے ایک ایسے ملک کی مثال دی جہاں اسلامی حدود نافذ تھیں اور سرقہ و دیگر جرائم کا خاتمہ ہو گیا تھا اور لوگ اپنے مال و اسباب کی حفاظت کی طرف سے بے فکر رہتے تھے اور انہیں گھروں پر قفل لگانے کی ضرورت محسوس نہ ہوتی تھی' اور اِس کی وجہ شیخ نے یہ بتائی کہ اُس ملک میں جب کوئی شخص چوری کا ارادہ کرتا اور مالِ غیر کی طرف اپنا ہاتھ بڑھاتا تو سلسلۂ عرش سے مربوط حد کے جاری ہونے کا حکم الٰہی اُسے یاد آ جاتا اور خود اُس کے قلب سے ایمان کی خاصیت کی وجہ سے عرشِ الٰہی سے نازل ہونے والے کلام ازلی کی یہ صدا گونج اُٹھتی:

﴿اَلسَّارِقُ وَ السَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا﴾ (المائدہ:38)

"چور خواہ مرد ہو یا عورت' دونوں کے ہاتھ کاٹ دو۔"

اس اعتقاد سے اُس کے علوی احساسات کے تار جھنجھنا اٹھتے اور رُوح کی گہرائی اور وجدان کے اندرون سے اُس کی معنوی قوت چوری کے میلان پر حملہ آور ہو جاتی اور اس طرح سرقہ کا رُجحان دب جاتا۔ شیخ نے اس حکایت سے یہ نتیجہ نکالا کہ اس علوی تنبیہ اور وجدانی نصیحت سے بڑھ کر کوئی رُجحان یا میلان طاقتور نہیں ہو سکتا' کیونکہ افعال صادر ہوتے ہیں قلب کے میلانات سے اور یہ میلانات پیدا ہوتے ہیں رُوح کے احساسات سے' اور رُوح حرکت میں آتی ہے ایمان کی روشنی سے۔ اس طرح دینی حمیت اور اسلامی غیرت ہی امنِ عامہ کے قیام میں ممد و معاون ثابت ہو سکتی ہے۔

اسلام پسندوں کے خلاف مہم

دونوں رفیقوں نے شیخ سعید نُورسی کے سامنے یہ سوال بھی پیش کیا کہ تہذیب جدید نے جہاں استبداد کے خلاف اعلانِ جنگ کر رکھا ہے' وہیں حاملین مذہب کے خلاف بھی دشمنی و نفرت کے احساس کو بھڑکایا ہے۔ یہ دونوں احساسات و جذبات مغرب سے ہمارے ہاں در آئے ہیں۔ نئی تہذیب و ثقافت پر فریفتہ نوجوان جس طرح تحکم اور جبر و استبداد پر حملے کر رہے ہیں' اسی طرح مذہبی و دینی شعور پر بے اعتمادی کا اظہار کر رہے ہیں۔ اس سلسلے میں انہوں نے شیخ کی رائے دریافت کی۔

شیخ نے اس کے جواب میں فرمایا: "کہ مغرب کی جانب سے تریاق اور زہر دونوں فراہم ہوئے ہیں۔ استبداد کے خلاف مظلوموں کا اعلانِ جنگ بہت واضح ہے' لیکن مغربی ممالک میں مذہب اور مذہبی احساس کے خلاف جو نفرت و عداوت کی فضا پروان چڑھی ہے' اُس کی وجہ عیسائیت اور خصوصاً کیتھولک چرچ ہے جس نے یورپ میں بڑے ہولناک داخلی فتنے اور اضطرابات اور بغاوتیں جنم دیں اور مدتوں تک یہ مذہب داخلی سیاست کا آلۂ کار بنا رہا۔ کلیسا کے محکمہ احتساب (Inquisition) کی سفاکانہ کارروائیوں کی بدولت لاکھوں عیسائی ظلم و اذیت اور وحشت و بربریت کا نشانہ بنے اور پانچ سو سال تک انسانی عقل حیران و ششدر رہی کہ یہ کیسا خوفناک ڈراما کھیلا جا رہا ہے۔"

شیخ نے مزید فرمایا: "کلیسا کا محکمۂ احتساب' یہ وحشی ادارہ مُردہ نہیں ہوا' بلکہ اُس نے تہذیب اور کلچر کا لبادہ اوڑھ لیا ہے اور اپنے چہرے پر ڈپلومیسی کی نقاب ڈال لی ہے۔ غیر عیسائی اقوام و افراد سے ان کا رویہ اسی منافقت پر مبنی ہے۔"

کلیسا کے وحشیانہ اقدامات اور اہل دانش اور مخالف پادریوں کے خلاف اِن ظالمانہ کارروائیوں کا ردِّعمل مغرب میں یہ ہوا کہ روحِ مذہب اور اہل مذہب کے خلاف انتقام کی آگ بھڑک اُٹھی' جس میں پروٹسٹنٹ مذہب کے حامل افراد نے اپنے مخالفین سے انتقام لے لیا' لیکن تعجب کی بات یہ ہے کہ کیتھولک چرچ کی اس بربریت اور درندگی کے باوجود پریس میں اُسی مذہب کی حکومت ہے' جبکہ سینکڑوں فرانسیسی فلاسفہ نے اس پر سخت تنقید کی ہے۔

شیخ نورسی نے کیتھولک چرچ کے مظالم کے خلاف ہونے والے (پروٹسٹنٹ) ردِّعمل کو اسلام سے غیر متعلق قرار دیا اور دونوں مذاہب کے درمیان آسمان و زمین کا فرق کہا' کیونکہ عالمِ اسلام میں باہمی عداوت اور تصادم کی بنیاد مذہبی کبھی نہیں رہی' بلکہ عام طور پر مسلمانوں اور اُن پر ظلم و زیادتی کرنے والوں کے درمیان جنگ ہوتی رہی۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ تاریخ اسلام میں شاذ و نادر واقعات سے قطع نظر' سیاست کی مکارانہ ڈپلومیسی کے لیے اسلام کبھی آلۂ کار نہیں بنا۔ اس نمایاں فرق کے باوجود اگر مسلمانوں نے یورپ کی روش اختیار کی تو عالمِ اسلام آئندہ ہزار سال تک اضطراب و انتشار کا شکار رہے گا۔

دونوں رفیقوں نے اسی سے متصل دوسرا سوال پیش کیا کہ جب عالمِ اسلام میں نفرت اور دشمنی کا یہ جذبہ قابل قبول نہیں تھا تو ہمارے اندر یہ جذبہ کیسے سرایت کر گیا۔ آخر اس کا سبب کیا ہے؟ شیخ نے اِس سوال کے جواب میں فرمایا: "جو غیر ملکی لٹریچر ترجمہ ہو کر ہم تک منتقل ہوا ہے' اُس نے اگرچہ اپنے مقاصد اور لوازمہ کے ذریعے ہمارے افکار کو متاثر کیا ہے تو بیشتر اوقات اُس نے ہمارے جذبات و احساسات کو اپنے اسلوبِ بیان اور طرزِ تحریر کے ذریعے اُلجھا دیا ہے بلکہ گمراہ کر دیا ہے۔ مغرب کے مؤرخین' ادیب اور مفکرین کے مسلمات اور مقدس ترین اصولوں پر گفتگو کرتے ہوئے اپنی خاموشی سے' لاپروائی سے یا طرزِ تکلم سے استہزا اور عدمِ احترام کا تاثر ضرور قائم کر دیتے ہیں۔ اُن کے طرزِ تحریر اور اسلوبِ بیان سے ہم مسلمانوں کے اندر جو فتنے رونما ہوئے' اُن میں سب سے بڑا فتنہ حاملینِ دینِ متین اور علماءِ مدارسِ دینی کے خلاف استہزا کا ماحول پیدا کرنا تھا' جبکہ علماء سب سے زیادہ عزت و تکریم اور محبت و مرحمت کے مستحق ہیں' علماء ہی اسلام کے ستون ہیں۔ البتہ مسئلہ یہ ہے کہ زمانے کے عدمِ تعاون کے سبب ان میں کامل اور محقق علماء کمیاب ہیں۔"

(جاری ہے)

✿✿✿✿✿

تنظیمی اطلاع

امیر محترم نے رفقاء کی آراء' امیر حلقہ کی سفارش اور مرکزی عاملہ کے اراکین سے مشورہ کے بعد منفرد اُسرہ جہلم کو تنظیم کا درجہ دینے کا فیصلہ کیا ہے اور اس کے لئے جناب خلیل الرحمٰن کیانی کو امارت کی ذمہ داری تفویض کی ہے۔

✿✿ضرورت رشتہ✿✿

☆ لاہور میں مقیم اعوان برادری سے تعلق رکھنے والی لڑکیوں عمر 25' بی۔اے' عمر 22' بی۔اے اور 21 سال ایف اے کے لئے مناسب رشتے مطلوب ہیں۔
برائے رابطہ: 0345-6292679

☆ لاہور کی بٹ فیملی کی 22 سالہ' بی۔اے بیٹی کے لئے موزوں رشتہ مطلوب ہے۔
رابطہ: محمد رفیع بٹ: 7323429

☆ تبلیغی جماعت سے وابستہ گورنمنٹ ملازم' عمر 30 سال' تعلیم بی ایڈ' ایم اے (اردو) کے لئے دینی مزاج کی حامل لڑکی کا رشتہ درکار ہے۔ ذات پات کی کوئی قید نہیں۔
برائے رابطہ: 0302-3690658

☆ لاہور میں مغل فیملی کو بیٹیوں' 27 سالہ ڈریس ڈیزائننگ میں ڈپلومہ ہولڈر (خلع یافتہ) اور 22 سالہ' گونگی بہری' معمولی تعلیم' امورِ خانہ داری میں ماہر کے لئے رشتے درکار ہیں۔
رابطہ محمد رفیق: 0302-4616554

☆ لاہور کی رہائشی راجپوت فیملی کی 29 سالہ بیٹی (خلع یافتہ) تعلیم ایم ایس سی کے لئے دیندار لڑکے کا رشتہ درکار ہے۔
برائے رابطہ: 8429709 , 7460757

☆ ایک پاکستانی تاجر (امریکن نیشنلٹی ہولڈر) کے لئے شرعی پردے کی پابند' تعلیم یافتہ' خوبصورت' نیک سیرت امورِ خانہ داری میں ماہر خاتون کا رشتہ درکار ہے۔
برائے رابطہ: 0321-4194691
(10 تا شام 6 بجے)

اضطراب کا پس منظر

مولانا محمد اسلم شیخوپوری

اس ملک کے باسیوں کو سیاسی' معاشی اور سلامتی کے اعتبار سے شاید ہی کبھی سکون نصیب ہوا ہو۔ ہر آنے والا دن افراتفری' ذہنی انتشار' عدمِ تحفظ اور بے یقینی کی کیفیت میں اضافہ ہی کرتا چلا جاتا ہے۔ اونٹ کی کوئی نہ کوئی کل تو پھر بھی سیدھی ہوگی ہماری سیاست کی تو کوئی کل بھی سیدھی نہیں ہے۔ جس لیڈر کو ہم رہنما بنانے کی کوشش کرتے ہیں' دسیوں قلم اور زبانیں اسے رہزن باور کر دیتی ہیں۔ عوام کے دکھ درد میں گھل گھل کر ہاتھی بن جانے والوں کے کوٹ اور پتلون' جیبیں اور بٹوے نچوڑے جائیں تو لاکھوں ناداروں' ستم کشوں' بیواؤں' یتیموں اور بے روزگاروں کی داستانِ الم لکھنے کے لئے ہزاروں ٹن سیاہی دستیاب ہو جائے گی۔ ملک وملت کے جن راہبروں پر کرپشن' اقربا پروری' رشوت خوری اور وطن فروشی کے الزامات پورے دلائل کے ساتھ لگائے جاتے ہیں' چند دنوں بعد اندرونِ خانہ مفاہمت کے بعد انہیں پاک دامنی کے سرٹیفکیٹ ہی نہیں دوسرے ''ملزموں'' سے تفتیش وتحقیق کے حقوق بھی دے دیے جاتے ہیں۔ کیا یہ ستم نہیں کہ ڈیل اور ڈھیل کی باتیں سرِ عام کی جاتی ہیں۔ حکومتی وزیر برسرِ عام کہتے ہیں ''اگر کچھ لینا ہے تو کچھ دینا بھی تو پڑے گا۔'' لینا کیا ہے؟ اپنے اقتدار کے تحفظ کی ضمانت! دینا کیا ہے؟ قومی خزانے میں کی گئی لوٹ مار کی معافی! قومی خزانہ نہ ہوا' نانا جی کی دکان پر حلوائی کی فاتحہ ہو گئی۔ بے دریغ کھاؤ اور جاتے جاتے ڈکار مارتے ہوئے مرحوم کی مغفرت کی دُعا کرتے جاؤ۔ جس نے کھایا وہ بھی جنتی جس نے کھلایا وہ بھی جنتی۔

ہاں! جس کا مال کھایا گیا وہ غربت' فاقہ کشی اور بے روزگاری کی آگ میں جلتا ہے تو جلتا رہے۔ اگر تپش ناقابل برداشت ہو جائے تو گلے میں رسی ڈال کر پنکھے سے لٹک جائے۔ رسی خریدنے کی طاقت نہ ہو تو ریلوے لائن پر لیٹ جائے یا نیٹی جیٹی کے پل سے چھلانگ لگا دے ورنہ وزیرستان چلا جائے اور اپنے چہرے پر کسی غیر ملکی کا ماسک چڑھائے۔ کوئی نہ کوئی اندھی گولی اس کا سینہ تلاش کر ہی لے گی۔ نئی ڈکشنری کے مطابق غیر ملکی' غیر مسلم کا مترادف اور واجب القتل ہے۔ ہم نے بھی کسی اناڑی شاعر کی طرح مصرع پورا کرنے کے لیے غیر ملکی کے ساتھ' غیر مسلم کو ملا دیا ہے ورنہ واجب القتل تو صرف غیر ملکی ہی ہے۔ وہ بھی ایسا غیر ملکی جو اس زمانے میں ہماری دعوت پر پاکستان آیا تھا جب سرخوں کا طوفان دریائے آمو پار کر کے اسلام آباد کے درودیوار پر دستک دیا چاہتا تھا تب گولہ بارود کا استعمال دہشت گردی نہیں' جہاد شمار ہوتا تھا۔ وہ غیر ملکی سادہ بلکہ ہمارے دانش وروں کی رائے میں بے وقوف تھا جو روس اور امریکا دونوں کو ایک ہی سکے کے دو رُخ سمجھتا رہا۔ اس کے خیال میں کفر' کفر ہے چاہے سرخ ہو یا سفید...... کالا ہو یا نیلا اور پیلا...... ''رب الناس'' نے انسانوں کی تقسیم رنگ ونسل' قومیت اور زبان کی بنا پر نہیں کی' کفر اور ایمان کی بنا پر کی ہے۔

روایتی سیاست دانوں سے مایوس ہو کر بعض عقیدت کیشوں نے مذہبی سیاست دانوں اور دینی رہنماؤں سے اپنی اُمیدیں وابستہ کر لیں۔ ان کا خیال تھا کہ اللہ کے یہ بندے گرداب میں پھنسی ہوئی کشتی کو ضرور نکال لیں گے لیکن مذہبی آستانوں پر جلائے جانے والے اُمیدوں کے چراغ بھی ٹمٹما رہے ہیں۔ اُمید' مایوسی' اضطراب بلکہ احتجاج میں تبدیل ہو رہی ہے۔ ایمانی جذبات اور قومی فلاح و بہبود کے عزائم سے سرشار نوجوان دیکھنا یہ چاہتے ہیں کہ ملک عزیز میں کوئی باپ بھوک سے بلکتے اور بیماری سے تڑپتے جاں بلب بچوں کو دیکھ کر خودکشی جیسے گناہ کبیرہ کا ارتکاب نہ کرے۔ طوائف اور کنجری کا نام چھوڑ کر آنٹی اور خالہ جیسے مقدس نام پر اپنے گھروں' ہوٹلوں' فارموں اور تفریح گاہوں میں غریب اور مجبور بچیوں کی عفت وعصمت کے قبرستان آباد نہ کیے جائیں۔ کوئی وزیر' مشیر' سپاہی' تھانیدار اور بیوروکریٹ رشوت اور سفارش کی وجہ سے مجرم کو محرم اور محرم کو مجرم نہ بنائے۔ قومی خزانہ لوٹنے والوں کو...... خواہ وہ چھوٹے ہوں یا بڑے' سیاست دان ہوں یا غیر...... ایسی عبرت ناک سزائیں دی جائیں کہ تاریخ میں مثال بن جائیں۔ سیاست آزاد ہو اور خارجہ پالیسی بقائے باہمی اور خودداری پر مبنی ہو نہ بلاوجہ کسی کو ڈرایا جائے اور نہ ہی کسی سے ڈرا جائے۔ اللہ سے کیے گئے عہد و پیمان کے مطابق صرف اسی کو سپر پاور سمجھا جائے۔ عزت وذلت' فتح وشکست' امیری اور غریبی سب اس کے ہاتھ میں ہے۔ غرضیکہ مسلمان نوجوان زندگی کے ہر شعبے میں اسلام کی سادہ' باوقار اور پُر امن تعلیمات کا عملی نفاذ دیکھنا چاہتا ہے۔ اس کا اپنے سیاسی' مذہبی اور ملکی رہنماؤں کے بارے میں تصور یہ ہے کہ وہ محب وطن' سادہ' جفاکش اسلام اور اُمت مسلمہ کے وفادار اور بہادر ہوں' لیکن اسے ان میں سے کوئی چیز بھی عملی زندگی میں دکھائی نہیں دیتی۔ تھانے بوچڑ خانے بن کر رہ گئے ہیں۔ عدالتوں سے انصاف نہیں ملتا۔ عصمت فروشی کے اڈے جا بجا کھل گئے ہیں۔ عریانیت آخری حدوں کو چھو رہی ہے۔ کرپشن کا منہ زور گھوڑا سرپٹ دوڑ رہا ہے۔ رعایا روشنی کی طلب گار ہے جبکہ اسے روشن خیالی سے ٹرخانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ وہ امن' تعلیم اور روزگار کا سوال کرتی ہے' جواب میں اسے خوبصورت تقریریں سنائی جاتی ہیں۔ مختصراً یہ کہ باتیں ہی باتیں ہیں' عمل کہیں بھی نہیں۔

ان حالات نے دردمند دل رکھنے والوں کو سراپا اضطراب بلکہ سراپا شعلہ بنا دیا ہے۔ رہنماؤں سے مایوس ہو کر اب وہ خود کچھ کرنا چاہتے ہیں۔ لال مسجد اور جامعہ حفصہ کے مسئلہ کو اسی اضطراب کے پسِ منظر میں دیکھنا چاہیے۔ جھوٹ بولتے ہیں وہ لوگ جو غازی برادران پر حبِ مال یا حبِ جاہ کا الزام لگاتے ہیں' غیروں کی زبان میں بات کرتے ہیں' وہ قلم کار جو باحیا اور باوفا طالبات کو کسی کے ہاتھوں کھیلنے کا طعنہ دیتے ہیں۔ ان کے طریقۂ کار سے اختلاف ہو سکتا ہے اور اختلاف کیا بھی گیا ہے' مگر ان کے مطالبات کی سچائی' ان کے کردار کی صفائی' جذبۂ ایثار اور حوصلوں کی کوہ پیمائی سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا۔ لاکھوں رحمتیں ہوں صاحبِ عزیمت مولانا عبداللہ شہید کے مرقد پر جنہوں نے اس شہر میں دیانت و امانت والی زندگی گزاری' جہاں کروڑوں میں کھیلنے والے لاکھوں اور ہزاروں میں بکتے رہے۔ ہر آنے والی حکومت نے ضمیر فروشی کی منڈی سجائی اور اس منڈی میں نامی گرامی ''باضمیروں'' نے اپنے آپ کو فروخت کے لئے پیش کیا اور وہ بھی قوم کے وسیع تر مفاد میں! مگر حرص و ہوس اور سیم و زر کی طوفانی موجوں میں اس مردِ درویش نے اپنے پیوند زدہ لباس کو آلودہ ہونے سے بچائے رکھا۔ اس نے وراثت میں کوئی پلاٹ چھوڑا نہ کوٹھی اور بنگلہ...... بینک بیلنس اور نہ چلتا ہوا کاروبار...... ایک جان تھی سو وہ بھی جاتے جاتے جان آفرین کے دین پر قربان کر دی۔

یہ سوچنا حماقت ہوگی کہ چند ہزار طلبہ اور طالبات کو دبا لینے سے اضطراب کی یہ ملک گیر لہر ختم ہو جائے گی۔ لاکھوں گمنام سینے ہیں جو اللہ کے حکموں کی پامالی' جوروجفا کی ہمہ گیری' ٹیلنٹ کی ناقدری' رشوت ستانی' ڈاکوؤں اور چوروں کے تسلط' امریکی سورماؤں کی دراندازی' غیر ملکی مسلم بھائیوں کی خونریزی اور مغربی تہذیب وثقافت کی سرپرستی پر اندر ہی اندر کڑھ رہے ہیں۔ ان کی سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ کیا کریں۔ خدارا! مضطرب نوجوانوں کو نہیں' وجۂ اضطراب کو ختم کرنے کی کوشش کیجئے۔

(بشکریہ ''ضربِ مومن'')

امیر تنظیم اسلامی کا دورہ وسطی پنجاب

تنظیم اسلامی واحد انقلابی جماعت ہے جس میں امیر سے لے کر نقباء تک کا ہر وقت اپنے رفقاء سے تعلق رہتا ہے۔ اس سلسلہ میں امیر تنظیم اسلامی محترم حافظ عاکف سعید مدظلہ نے 20 اپریل 2007ء سے حلقہ وسطی پنجاب کا سہ روزہ دورہ کیا۔ ٹوبہ ٹیک سنگھ میں بعد نماز مغرب اپنے خطاب سے آپ نے دورہ کا آغاز فرمایا۔ آپ کے ہمراہ ناظم اعلیٰ تنظیم اسلامی جناب اظہر بختیار خلجی بھی قبل از نماز عصر ٹوبہ ٹیک سنگھ پہنچ گئے۔ یہ پروگرام گریس ہوٹل رجانہ روڈ ٹوبہ ٹیک سنگھ میں طے کیا ہوا تھا۔ چونکہ خطاب عام تھا' اس لئے شہر میں بڑی تعداد میں دعوت نامے تقسیم کئے گئے تھے۔ یاد رہے کہ ہر انگریزی ماہ کے تیسرے جمعہ اسی ہوٹل میں امیر حلقہ وسطی پنجاب جناب انجینئر مختار فاروقی دینی موضوعات پر خطاب کرتے ہیں۔

امیر محترم' ناظم اعلیٰ اور پروفیسر امان اللہ کے ہمراہ بعد از نماز مغرب ہال میں تشریف لائے۔ امیر تنظیم اسلامی ٹوبہ ٹیک سنگھ پروفیسر خلیل الرحمٰن نے افتتاحی کلمات ادا کئے۔ تلاوت کلام پاک کے بعد امیر محترم نے ''دورِ حاضر کی اسلامی ریاست'' کے موضوع پر مفصل خطاب فرمایا۔ ہال سامعین سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا' حتیٰ کہ بہت سے لوگوں نے کھڑے ہو کر آپ کا خطاب سنا۔ حاضری تقریباً 350 رہی۔ یہ خطاب رات سوا آٹھ بجے ختم ہوا۔ خطاب کے بعد ڈاکٹر خلیل صاحب سے نفاذ اسلام کے ضمن میں انتخابی اور انقلابی طریق کار کے بارے میں مفید گفتگو ہوئی۔ بعد ازاں شرکاء کو کھانا دیا گیا۔ بعد میں رفقاء کے تعارف اور سوال جواب کی نشست ہوئی۔ امیر محترم اور ناظم اعلیٰ نے سوالوں کے تسلی بخش جوابات دیئے۔ اس کے بعد نماز عشاء ہوٹل میں باجماعت ادا کی گئی۔ انتظامات میں مصروفیت کی وجہ سے رفقاء نے نماز کے بعد کھانا کھایا۔ تنظیم اسلامی ٹوبہ ٹیک سنگھ کے انتظامات قابل تعریف تھے۔

21 اپریل کو طے شدہ پروگرام کے تحت امیر محترم صبح 6 بجے امیر تنظیم اسلامی حلقہ وسطی پنجاب انجینئر مختار حسین فاروقی کے گھر تشریف لائے۔ وہاں پر مقامی رفقاء و احباب سے ملاقات اور سوال و جواب کی نشست تھی۔ تمام رفقاء حاضر تھے۔ سوال و جواب کے بعد رفقاء کو ناشتہ دیا گیا۔

قرآن فاؤنڈیشن لاہور ہر سال ایف اے' ایف ایس سی میں فرسٹ ڈویژن حاصل کرنے والوں کو قرآن پاک کی تفسیر ''الکتاب'' فری تقسیم کرتی ہے۔ یہ اعزاز بھی صدر انجمن خدام القرآن جھنگ جناب انجینئر مختار حسین فاروقی کے حصہ میں آتا ہے کہ وہ ہر سال الکتاب کی تقسیم اپنی نگرانی میں کراتے ہیں۔ اس سال یہ تقریب قرآن اکیڈمی جھنگ میں ہوئی۔ مہمان خصوصی امیر محترم تھے۔ آپ 9 بجے اکیڈمی تشریف لے آئے۔ ساڑھے نو بجے تلاوت قرآن سے تقریب کا آغاز ہوا۔ صدر انجمن نے قرآن فاؤنڈیشن لاہور کا مختصر تعارف کروایا۔ اس کے بعد آپ نے امیر محترم کو دعوت خطاب دی۔ امیر محترم نے عظمتِ قرآن پر مفصل خطاب فرمایا۔ بعد میں طلبہ میں تفسیر الکتاب تقسیم کی گئی۔ ساڑھے گیارہ بجے یہ تقریب ختم ہوئی۔

امیر محترم نے دوپہر کا کھانا امیر حلقہ جناب انجینئر مختار فاروقی کے گھر کھایا۔ کچھ دیر آرام کے بعد آپ لیہ روانہ ہوئے۔ امیر حلقہ اور راقم ہمراہ تھے۔ چھ بجے لیہ پہنچ گئے۔ لیہ میں آپ کے خطاب عام کا پروگرام ہاؤسنگ کالونی لیہ کے پارک میں جلسہ عام کی صورت میں طے تھا۔ یہاں تقریباً 500 کرسیاں مردوں کے لئے اور 200 خواتین کے لئے رکھی گئی تھیں۔ بعد از نماز عشاء نقیب اسرہ الہدیٰ لائبریری لیہ چوہدری صادق علی نے پروگرام کے متعلق لوگوں کو بریف کیا۔ تلاوت کلام پاک سے پروگرام کا آغاز ہوا۔ امیر حلقہ انجینئر مختار حسین فاروقی نے درس حدیث دیا۔ اس کے بعد امیر محترم نے ''دور حاضر میں اسلامی ریاست کے قیام'' پر مفصل خطاب فرمایا۔ لوگ جُوق در جُوق ٹولیوں کی شکل میں اجتماع گاہ آتے رہے۔ دیکھتے ہی دیکھتے خواتین و حضرات کا پنڈال بھر گیا۔ یہ اس بات کا واضح ثبوت تھا کہ لیہ جیسے دور دراز علاقہ میں بھی لوگ تنظیم اسلامی کے مشن میں دلچسپی رکھتے ہیں۔ 11 بجے یہ پروگرام ختم ہوا۔

22 اپریل کو صبح 6 بجے رفقاء لیہ کے ساتھ نشست طے تھی۔ امیر محترم اور ناظم اعلیٰ سے رفقاء کا تعارف کرایا گیا۔ پھر سوال و جواب کی نشست ہوئی۔ ناشتہ کے بعد یہ نشست مسنون دعا پر ختم ہوئی اور امیر محترم میانوالی روانہ ہو گئے۔ رفقاء تنظیم اسلامی لیہ نے بہت اچھے انتظامات کئے تھے۔ اللہ انہیں اجر عطا فرمائے۔ (آمین) (رپورٹ: رانا صبغت اللہ)

منفرد اسرہ عارف والا کا ماہانہ تربیتی اجتماع

منفرد اسرہ عارف والا کا ماہانہ تربیتی اجتماع صبح ساڑھے آٹھ بجے ملت مسجد نزد ٹاؤن ہال عارف والا میں منعقد ہوا۔ اسرہ ھذا کے رفقاء پاکپتن اور عارف والا سے مقررہ وقت پر مسجد میں پہنچ گئے۔ ساڑھے آٹھ بجے پروفیسر ممتاز احمد وٹو نے افتتاحی کلمات کہے اور بعد ازاں مختلف مسالک اور تنظیم میں شمولیت کے مراحل طے کرنے کے بعد تنظیمِ اسلامی میں اپنی شمولیت کا تذکرہ کیا۔ بعد میں شکیل احمد رانا نے سورۂ آلِ عمران کی آیات 102-103 پر درس قرآن دیتے ہوئے بتایا کہ فرد کی کردار سازی تقویٰ اور رجوع الی القرآن سے ممکن ہے۔ انہوں نے کہا کہ اقامت دین ہماری ذمہ داری ہے' اور یہ فریضہ اجتماعیت کے ذریعے ہی ادا ہو سکتا ہے۔ حق نواز وٹو نے حضرت مصعب بن عمیرؓ کی سیرت بیان کی۔ اس کے بعد قاری محمد صدیق نے درسِ حدیث دیا' جس میں آپ نے نبی اکرم ﷺ کی وہ حدیثِ مبارکہ بیان کی جس میں آپؐ نے فرمایا: ''میں تمہیں پانچ چیزوں کا حکم دیتا ہوں۔ جماعت' سمع' اطاعت' ہجرت اور جہاد فی سبیل اللہ۔'' خالد حسین نے رفقاء کو تلقین کی کہ وہ ادعیہ ماثورہ کو اپنی زندگیوں کا معمول بنائیں۔ اس کے بعد محمد اشرف نے دعوتی عمل کے ضمن میں رفقاء کی انفرادی کارکردگی کا جائزہ لیا' اور اس سلسلے میں اُن پر جو ذمہ داری عائد ہوتی ہے اُن پر گفتگو کی۔ بعد میں تجاویز اور مشورے ہوئے اور نماز جمعہ سے کچھ وقت پہلے یہ تربیتی اجتماع اختتام پذیر ہوا۔ (مرتب: رفیق تنظیم)

تنظیم اسلامی سرگودھا کا ماہانہ دعوتی پروگرام

تنظیم اسلامی سرگودھا توسیع دعوت کے سلسلہ میں ہر ماہ شہر کے مختلف علمائے کرام کو اپنے ہفتہ وار خطاب کے لیے مدعو کرتی ہے' جس میں علماء کرام کو مختلف موضوعات پر خطاب کی دعوت دی جاتی ہے۔ اِس سلسلے میں ماہ فروری 2007ء میں جمعیت اشاعت التوحید والسنہ پنجاب کے نائب امیر حضرت علامہ عطاء اللہ بندیالوی کو مدعو کیا گیا تھا۔ انہوں نے انبیائے کرامؑ کے مقصد بعثت پر بہت ہی پر اثر تقریر فرمائی۔ ماہ مارچ میں ہفت روزہ ضرب مومن کے معروف کالم نگار اور صحافی مولانا قاری منصور احمد کو مدعو کیا گیا۔ قاری صاحب نے ربیع الاوّل کے حوالے سے ''حب رسول ﷺ اور اس کے تقاضے'' کے موضوع پر مدلل خطاب فرمایا۔ انہوں نے اپنے خطاب میں فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ کی بعثت کا مقصد محض اشاعتِ دین نہیں بلکہ اقامتِ دین تھا۔

قاری صاحب نے اقامتِ دین کے سلسلہ میں تنظیم اسلامی کی مساعی کو سراہا اور بانیٔ تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد کی کوششوں کو خراج تحسین پیش کیا۔ اُن کی گفتگو کے بعد مقامی ناظمِ دعوت ملک خدا بخش نے مہمانوں کا تہہ دل سے شکریہ ادا کیا۔ اس پروگرام میں 70 احباب اور 26 رفقاء نے شرکت فرمائی۔

اللہ تعالیٰ ہمیں ایمان حقیقی کی دولت اور غلبہ دین کے نبوی مشن کی تکمیل کے لئے اپنا تن من دھن وقف کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین) (مرتب: حافظ محمد زین العابدین)

تنظیم اسلامی حلقہ سندھ زیریں کے زیر اہتمام ایک خصوصی نشست

دوبئی میں قید و بند کی صعوبتوں سے گزر کر وطن واپس لوٹنے والے رفقاء کے اعزاز میں یکم مئی 2007ء کو ایک خصوصی نشست دفتر حلقہ میں رکھی گئی' جس کا آغاز دوپہر بارہ بجے ناظم حلقہ نوید احمد کی تذکیری گفتگو سے ہوا۔ اس نشست میں مجلس مشاورت حلقہ سندھ کے ارکان کے علاوہ دفتر حلقہ سے وابستہ رفقاء بھی شریک ہوئے۔ نوید احمد نے سورۂ عنکبوت کی چند آیات پر گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ یہ اللہ کی سنت ہے کہ وہ ایمان کا دعویٰ کرنے والوں کی آزمائش کرتا ہے' تاکہ واضح ہو جائے کہ کون اپنے دعویٰ ایمان میں سچا ہے۔ حلقۂ امارات سے تعلق رکھنے والے ہمارے رفقاء بھی' آزمائشی دور سے گزرے اور توقع ہے کہ وہ اللہ کے حضور سچے ثابت ہوں گے۔ انہیں دوبئی سے واپس وطن ہجرت کرنی پڑی۔ وہاں بھی ان کے پیش نظر عبادت رب کے فریضہ کو انجام دینا تھا اور ظاہر ہے کہ وہ یہاں بھی اپنے اس فریضے کو ادا کریں گے۔ یہی حیات اخروی کی فلاح کا ذریعہ ہے۔ آخرت کی زندگی ابدی ہے' جبکہ دنیا کی حقیقت کھیل تماشے کے سوا کچھ نہیں۔ اور جو لوگ اللہ کی راہ میں جدوجہد کرتے ہیں اللہ انہیں ضرور راہ دکھاتا ہے۔ لہٰذا جو لوگ خلوص نیت سے اس راہ پر چل پڑتے ہیں انہیں اس راہ سے منحرف ہونے کا کوئی اندیشہ نہیں رہتا۔

امیر حلقہ نے گفتگو کرتے ہوئے فرمایا کہ قربانیوں کی جو مثال ہمارے دوبئی کے ساتھیوں نے پیش کی ہے، تنظیم اسلامی کی تاریخ میں اس کی کوئی مثال نہیں ملتی' گو ایک موقع پر اسی قسم کی صورت حال سے ہمارے سعودی عرب کے رفقاء کو بھی گزرنا پڑا تھا' لیکن دوبئی کی صورت حال کی سنگینی اس سے کہیں زیادہ ہے۔ انہوں نے دوبئی میں تنظیم اسلامی کے قیام کی تاریخ پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ 1985ء میں بانی تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد ابوظہبی تشریف لائے تھے۔ میں اس زمانے میں دوبئی میں ہی ملازمت کر رہا تھا۔ اس وقت 5 افراد نے پہلے ہی ان کے ہاتھوں پر بیعت کر رکھی تھی۔ بانی محترم نے ابوظہبی میں جو خطابات ارشاد فرمائے تھے' ان کی ویڈیو ریکارڈنگ پہلی مرتبہ ہوئی تھی' جو اب ہمارے لٹریچر کا ایک اہم حصہ ہے۔ اس کے بعد 28 افراد نے 23 مارچ 1986ء کو ایک متفقہ قرارداد کے ذریعہ ''قرآن اکیڈمی، تعلیمات قرآنی '' کے نام سے ایک ادارہ کے قیام کا فیصلہ کیا تھا جس کے شعبۂ سمع و بصر نے بانی محترم کے دروس و خطابات کے کیسٹس کی وسیع پیمانے پر اشاعت میں اہم کردار ادا کیا۔ امیر حلقہ نے قرارداد کا متن پڑھ کر سنایا اور اس پر دستخط کرنے والے حضرات کے اسماء گرامی بتائے۔

اب دعوت دی گئی مہمان رفقاء کو کہ وہ اپنے تاثرات و مشاہدات حاضرین کے سامنے پیش کریں' اس تجربے کی روشنی میں جس سے وہ گزر کر آئے تھے۔

شیبا احمد نے بتایا کہ ڈیرہ دوبئی میں تحریک دعوت کے آغاز کے موقع پر جس میں 67 رفقاء شریک تھے اور سورۃ المدثر کا درس جاری تھا، سی آئی ڈی نے چھاپہ مارا۔ ہماری جامہ تلاشی لی گئی اور کیمپوں میں لے جایا گیا۔ بعد ازاں، قریب کے پولیس اسٹیشن میں نصف گھنٹہ تک تفتیش کے مرحلے سے گزرنا پڑا۔ پھر ہمیں ہیڈ کوارٹر لے جایا گیا' جہاں سب رفقاء سے الگ الگ تفتیش شروع ہوئی۔ امراء و نقباء کو جیل میں قید تنہائی میں ڈال دیا گیا۔ 26 دن تک ہم الگ الگ سیل میں رہے' جس کی چھت پر ایک کھڑکی تھی جس سے سیل میں کچھ روشنی ہو جاتی تھی اور لوہے کے دروازے میں ایک سوراخ رکھا گیا تھا۔ رفع حاجت کیلئے انٹرکام پر اطلاع دینی پڑتی تھی۔ کبھی اس کا انتظام کر دیا جاتا تھا اور کبھی نہیں۔ لہٰذا ہم نے کم سے کم کھانے اور پینے کا فیصلہ کیا۔ ہم یہ سوچتے تھے کہ اس قید سے تو ان شاء اللہ کسی نہ کسی دن رہائی مل ہی جائے گی لیکن اگر آخرت میں خدانخواستہ دوزخ کی قید کا سامنا کرنا پڑا تو پھر کیا ہوگا' وہ قید تو ابدی ہوگی۔ بہر حال اس تجربے نے ہمارے ایمان میں اضافہ کیا' ہمیں کسی قسم کی پریشانی لاحق نہیں ہوئی بلکہ ایک سکون کی سی کیفیت رہی۔ 35 رفقاء کو ڈیپورٹ کر دیا گیا۔ ہمارے اہل خانہ کو جون تک قیام کی مہلت دے دی گئی تاکہ بچوں کی تعلیم مکمل ہو سکے۔ انہوں نے ہم پر کوئی فرد جرم عائد نہیں کی انہیں اصل پریشانی یہ تھی کہ ہم سالہا سال سے منظم طور پر دین کی اشاعت کا کام کر رہے ہیں لیکن انہیں کوئی اطلاع تک نہیں۔ اس سے انہوں نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ ہم خطرناک قسم کے لوگ ہیں۔ ویسے بھی امارات میں جماعت سازی کی کسی صورت میں اجازت نہیں۔ ایک سوال پر شیبا احمد نے بتایا کہ ابھی آپریشن کی زد میں صرف ڈیرہ دوبئی کے رفقاء ہی آئے ہیں تاہم اندیشہ ہے کہ بقیہ تناظیم کے رفقاء کو بھی ڈیپورٹ کر دیا جائے گا اور شاید یہ مرحلہ ماہ جون کے بعد آ جائے۔ انہوں نے یہ بھی بتایا کہ یہ سب کچھ یقیناً ہماری صف میں موجود کسی مخبر کی کارستانی کے نتیجے میں ہوا۔ دیگر رفقاء نے بھی گفتگو میں یہی تاثر دیا کہ الحمد للہ، ان کے ایمان میں اضافہ ہی ہوا ہے' جس سے ہمارے کام کو مہمیز ملے گی۔ ایک خاص بات یہ معلوم ہوئی کہ اس واقعہ کے نتیجے میں رفقاء کے اہل خانہ کے آپس میں جو روابط بڑھے ہیں اور ان میں جو ہم آہنگی پیدا ہوئی ہے، اس کی نظیر نہیں ملتی۔

بعد ازاں مہمان رفقاء سمیت تمام شرکاء نے اپنا اپنا مختصر تعارف پیش کیا۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں آزمائش سے بچائے اور اگر کبھی یہ مقدر ہی بن جائے تو اس میں کامیابی اور استقامت عطا فرمائے۔ آمین!

(رپورٹ: محمد سمیع)

پریس ریلیز

4 مئی 2007ء

''جاگیردارانہ نظام' نام نہاد روشن خیالی اور دہشت گردی کی امریکی جنگ میں شمولیت نے ہمیں خوفناک موڑ پر لا کھڑا کیا ہے''

ڈاکٹر اسرار احمد

بانیٔ تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا ہے کہ موجودہ ملکی اور قومی حالات کی روشنی میں نظر آ رہا ہے کہ مملکت خداداد پاکستان بھارت کی جھولی میں گرنے کے لیے تیار ہے۔ پاکستان کو جاگیردارانہ نظام' موجودہ حکومت کی نام نہاد روشن خیالی اور دہشت گردی کی امریکی جنگ میں شمولیت نے ہمیں خوفناک موڑ پر لا کھڑا کیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ اس وقت بھارت عالمی سطح پر ایک اہم ملک کی حیثیت اختیار کر چکا ہے اور ہمارے حالات سے فائدہ اٹھا سکتا ہے' کیونکہ ہندو ذہن نے پاکستان کے وجود کو دل سے کبھی تسلیم نہیں کیا۔ راہول گاندھی کے پیشتر ازیں پاکستان کو دولخت کرنے کا اس موقع پر دعویٰ کرنے کا ایک مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان کا خاندان برسر اقتدار آ کر دوبارہ یہ معرکہ انجام دے سکتا ہے۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے مسجد جامع القرآن قرآن اکیڈمی لاہور میں نماز جمعہ کے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ملک کے اندر مذہبی اور سیکولر عناصر کے درمیان نظریاتی اختلاف تصادم کی شکل اختیار کر رہا ہے' جس میں امریکہ کے زیر اثر متوقع مشرف' بے نظیر گٹھ جوڑ سے مزید شدت پیدا ہو سکتی ہے۔ مذہبی عناصر گو اسلام کے لیے ہر قربانی دینے کے جذبہ سے سرشار نظر آتے ہیں جس کی بہترین مثال لال مسجد کے دو بھائیوں کا نہایت جرأت مندانہ اقدام ہے' مگر مسئلہ یہ ہے کہ باہمی اختلافات اور صحیح لائحہ عمل نہ ہونے کی وجہ سے مذہبی طبقہ کا ملکی اور قومی سطح پر کوئی ٹھوس کردار ادا کرنا ممکن دکھائی نہیں دیتا۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ انہیں بہر حال یقین ہے کہ اسلام کا احیاء بالآخر اسی سرزمین پاک و ہند سے ہوگا جس میں افغانستان کا کردار سب سے اہم ہوگا۔

ڈاکٹر اسرار احمد نے مزید کہا کہ حکومتی اندازوں کے برعکس وکلاء برادری نے جس حیرت انگیز طاقت اور ثابت قدمی کا مظاہرہ کیا ہے اس سے حکومت کی عمل داری کو شدید دھچکا لگا ہے' لیکن متبادل کے طور پر بھی کوئی ایسی طاقت موجود نہیں جو ملک کی گرتی دیواروں کو سہارا دے سکے۔ ان حالات میں موجودہ حکومت کی معمولی سی کوتاہی پاکستان کو کسی بہت بڑے خطرہ سے دوچار کر سکتی ہے۔ (سردار اعوان' معتمد ذاتی بانیٔ تنظیم اسلامی)

ترک فوج اور اسلام پسند آمنے سامنے

اس سال ترکی میں پارلیمانی اور صدارتی انتخابات بالترتیب نومبر اور مئی میں ہونے تھے۔ سال کے اوائل میں ترک وزیراعظم طیب اردگان نے یہ خیال ظاہر کیا کہ وہ صدر بننا چاہتے ہیں۔ یہ اعلان سیکولر ترک قوتوں کو پسند نہیں آیا۔ دراصل طیب اردگان اور ان کی سیاسی جماعت دی جسٹس اینڈ ڈویلپمنٹ پارٹی اسلامی اصول و قوانین پر استوار ہے اور سیکولر قوتوں نے 1923ء سے اسلام پسندوں کو نشانہ بنا رکھا ہے۔ ان قوتوں کی سرخیل ترک فوج ہے۔

جب طیب اردگان نے اپنا ارادہ نہ چھوڑا تو ترک فوج کے سربراہ نے انہیں دھمکی دیتے ہوئے خبردار کیا کہ وہ سیکولر ذہنیت کا حامل صدر دیکھنا چاہتے ہیں۔ سیکولر جماعتوں نے ان کے خلاف مظاہرہ کیا۔ اس صورت حال کے پیش نظر طیب اردگان نے وزیر خارجہ عبداللہ گل کو صدارتی امیدوار مقرر کیا۔

اپریل کے آخر میں صدارتی انتخابات ہوئے۔ صدر بننے کے لیے ضروری ہے کہ امیدوار کو پارلیمان کے 550 ارکان میں سے 361 کی حمایت حاصل ہو۔ عبداللہ گل کو 357 ووٹ ملے اور یوں وہ صرف چار ووٹوں کے باعث ترک صدر نہ بن سکے۔ سیکولر قوتوں نے کھل کر عبداللہ گل کی بھی مخالفت کی کیونکہ وہ بھی اسلام پسند ہیں۔ ان کی بیگم سر پر چادر لیتی ہیں اور یہی بات سیکولر قوتوں کو بڑی کھلتی ہے۔

رائے شماری کے وقت پارلیمان سے حزب اختلاف غیر حاضر تھی' اس لیے دو تہائی ارکان کی ناموجودگی کے باعث کورم پورا نہ ہوسکا۔ اس کے باوجود رائے شماری کروا دی گئی۔ بعد ازاں حزب اختلاف معاملے کو آئینی عدالت میں لے گئی۔ عدالت نے عبداللہ گل کی رائے شماری کو کالعدم قرار دے دیا۔

اب ترک پارلیمان نے حکومت کی درخواست پر نئے انتخابات کا حکمنامہ جاری کیا ہے۔ 22 جولائی انتخابات کی تاریخ ٹھہری ہے۔ طیب اردگان کو انتخابات میں نہ صرف اپنی کامیابی کا یقین ہے بلکہ وہ امید رکھتے ہیں کہ ان کی جماعت کی نشستیں آئندہ انتخابات میں بڑھ جائیں گی۔ یوں دی جسٹس اینڈ ڈویلپمنٹ پارٹی دوسروں سے سودا بازی کیے بغیر اپنا صدر منتخب کرلے گی۔

ایران بھی مہاجرین کو نکال رہا ہے

ایران میں تقریباً دس لاکھ افغان مہاجرین غیر قانونی طور پر رہ رہے ہیں۔ ایک ماہ قبل انہیں ملک سے نکالنے کے لیے ایرانی حکومت نے بڑی کڑی مہم شروع کی تھی اور اخباری اطلاعات کے مطابق پانچ لاکھ افغان افغانستان میں دھکیل دیئے گئے۔

افغان حکومت نے اس دوران ایرانی حکومت سے درخواست کی ہے کہ وہ انہیں افغانستان میں نہ بھیجے کیونکہ مہاجرین کو از سر نو آباد کرنے کے سلسلے میں اس کے پاس وسائل نہیں ہیں۔ یاد رہے کہ ایران میں مختلف شعبوں سے وابستہ تقریباً بیس لاکھ افغان ماجرین موجود تھے۔ ان میں سے پانچ لاکھ کو ایرانی حکومت نے زبردستی افغانستان بھجوا دیا۔ ایرانی حکومت کا کہنا ہے کہ جو افغان غیر قانونی طور پر ایران میں داخل ہوئے ہیں' انہیں لازماً جانا ہوگا۔

افغانستان میں جرمن فوج

افغانستان میں تین ہزار جرمن فوجی موجود ہیں لیکن جرمنی میں انہیں واپس بلانے کا مطالبہ بڑھتا جارہا ہے۔ حزب اختلاف کا کہنا ہے کہ موجودہ حکومت نے امریکیوں کی خواہش پر جرمنوں کے بچے مروانے افغانستان بھیج دیئے ہیں اور اپنوں کا خیال نہیں رکھا۔ حزب اختلاف کی سخت تنقید کے باعث ہی افغانستان میں جرمن فوجی شمال تک محدود ہیں' جہاں طالبان کی سرگرمیاں زیادہ نہیں۔

محمد یونس کی پسپائی

بنگلہ دیش کے نوبل انعام یافتہ پروفیسر محمد یونس نے پچھلے دنوں اعلان کیا تھا کہ وہ نئی سیاسی جماعت کی بنیاد رکھ رہے ہیں۔ اب ان کا بیان آیا ہے کہ وہ حالات دیکھتے ہوئے سیاسی جماعت نہیں بنا رہے۔ خیال ہے کہ وہ بنگلہ دیشی فوج کی سرپرستی سے سیاسی جماعت بنانا چاہتے تھے تاکہ حسینہ واجد اور بیگم خالدہ ضیاء کی رخصتی سے پیدا ہونے والا سیاسی خلا پر ہوسکے۔ مگر بیگمات نے فوج کے آگے سر جھکانے سے انکار کر دیا' یوں محمد یونس کی دال نہیں گل سکی۔

پاکستان میں افغان مہاجرین

پاکستان میں بیس لاکھ سے زائد افغان مہاجرین اب بھی آباد ہیں اور ان میں سے 84 فیصد واپس اپنے وطن نہیں جانا چاہتے۔ اس انکار کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ افغانستان میں ابھی امن قائم نہیں ہوا۔ تاہم پاکستانی حکومت اگلے تین برسوں میں سب مہاجرین کو واپس بھجوانا چاہتی ہے۔ ان مہاجرین میں سے بیشتر پختون ہیں۔

جرگے کے ارکان کا فیصلہ

پاکستان اور افغانستان حکومت نے مجوزہ جرگے میں شرکت کرنے والوں کی قطعی فہرست تیار کر لی ہے۔ اس میں دونوں طرف سے تین سو پچاس افراد شریک ہوں گے۔ یہ دانشوروں' قبائلی عمائدین اور ارکان پارلیمان پر مشتمل ہوں گے۔ گو ابھی جرگے کی تاریخ کا فیصلہ نہیں ہوا تاہم امکان ہے کہ یہ جلد بلایا جائے گا۔ اس کے ذریعے دونوں حکومتیں نہ صرف طالبان کی سرگرمیوں کا خاتمہ بلکہ اپنے اختلافات کا خاتمہ بھی چاہتی ہیں۔ امریکہ کے خلاف جہاد میں مصروف طالبان نے نام نہاد جرگوں کو مسترد کر دیا ہے۔

بقیہ: اداریہ

آ جائے گا۔ بھٹو چلا گیا مگر روٹی نہ آئی' البتہ ضیاء الحق آ گیا۔ لیکن پاکستانی عوام کی بدقسمتی ملاحظہ کریں' وہ بیچارے صدر ضیاء الحق کے دور حکومت میں ''ضیا'' اور ''حق'' دونوں سے محروم رہے۔ بے نظیر بھٹو آئیں تو کہا گیا' عورت کی حکومت برکت سے خالی ہے۔ اللہ ہم پر اُس وقت تک رحم نہیں کرے گا' جب تک ہم پر عورت مسلط ہے۔ نواز آئے تو ہر طرف ''شرافت'' چھا گئی۔ حج اور عمرے کے ڈھیر لگا دیئے گئے' لیکن سود کے خلاف ہائی کورٹ کے فیصلے کے خلاف اپیل کر دی گئی کہ سودی معیشت ناگزیر ہے۔ عوام کی یادداشت یقیناً کمزور ہوتی ہے ورنہ جاننے والے جانتے ہیں کہ 12 اکتوبر 99 کو جب قوم ''مشرف بہ پرویز'' ہوئی تو قومی سطح پر ریلیف کی ایک لہر محسوس کی گئی۔ اور یہی پرویز مشرف آج نفرت کا سمبل بن گیا ہے۔

جذبات اور غصہ کو کنٹرول کر کے سنجیدگی سے سوچئے موجودہ تحریک سے اگر جمہوریت بحال ہوگئی' منصفانہ اور غیر جانبدارانہ انتخابات کا انعقاد ہوگیا تو جمہوری اکھاڑے میں جو پہلوان اس وقت زور آزمائی کے لیے تیار کھڑے ہیں اُن میں کون ''عبداللہ'' بن کر سامنے آئے گا اور ماشاءاللہ اسم بامسمیٰ ثابت ہوگا۔ سوچئے' کیا اس تحریک کے نتیجہ میں اور جمہوری عمل سے عباد الرحمٰن کی حکومت قائم ہوسکتی ہے' جو اللہ کی زمین پر نرم روی اختیار کریں اور جاہلوں کو سلام کہیں۔ یہ خود کو دھوکہ دینے والی بات ہے' ورنہ یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ حکومت الٰہیہ قائم کرنے کے لیے پہلے خالصتاً اقامت دین کی تحریک چلانی پڑے گی جس کا ہر ہر کارکن اسلام کے بنیادی اصولوں پر خود کاربند ہوگا۔ باطل نظام کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنا ہوگا کہ ہماری ذلت و رسوائی اور تباہی و بربادی کی وجہ اشخاص نہیں بلکہ حقیقت میں یہ باطل نظام ہے' جس کی موجودگی میں نفس کے پجاری اور حرص و ہوا کے بندے ہی اقتدار حاصل کر سکتے ہیں۔ مشرف کے جانے سے ہم قوم کی خوشی میں برابر کے شریک ہوں گے' لیکن ہمیں خوف یہ ہے کہ بحالی جمہوریت کی تحریک سے کوئی ''مشرف اعظم'' برآمد نہ ہو جائے۔ ہماری لیے عافیت کا راستہ صرف یہ ہے کہ پیارے نبی ﷺ کے بتائے ہوئے طریقے سے اسلامی انقلاب برپا کریں' پھر ایک اسلامی فلاحی جمہوری ریاست قائم کریں جو اللہ اور رسول ﷺ کے احکامات بلاتفریق نافذ کرے! ہم آخر میں حکمرانوں کو متنبہ کرتے ہیں کہ رب کی بے آواز لاٹھی اوپر اُٹھ چکی ہے۔ اس سے پہلے کہ اُس کی ضرب سے تم نیست و نابود ہو جاؤ' لوٹ آؤ اسلام کی طرف۔ اسی میں ہم سب کی سلامتی کا راز مضمر ہے۔

purposes. Therefore, as equal citizens in our fine democracy, Bill and I have equal opportunities for political power. Right?

3. Capitalism is unsustainable

This one is even easier. Capitalism is a system based on the idea of unlimited growth. The last time I checked, this is a finite planet. There are only two ways out of this one. Perhaps we will be hopping to a new planet soon. Or perhaps, because we need to figure out ways to cope with these physical limits, we will invent ever-more complex technologies to transcend those limits.

Both those positions are equally delusional. Delusions may bring temporary comfort, but they don't solve problems. They tend, in fact, to cause more problems. Those problems seem to be piling up.

Capitalism is not, of course, the only unsustainable system that humans have devised, but it is the most obviously unsustainable system, and it's the one in which we are stuck. It's the one that we are told is inevitable and natural, like the air.

A tale of two acronyms: TGIF and TINA

Former British Prime Minister Margaret Thatcher's famous response to a question about challenges to capitalism was TINA — There Is No Alternative. If there is no alternative, anyone who questions capitalism is crazy.

Here's another, more common, acronym about life under a predatory corporate capitalism: TGIF — Thank God It's Friday. It's a phrase that communicates a sad reality for many working in this economy — the jobs we do are not rewarding, not enjoyable, and fundamentally not worth doing. We do them to survive. Then on Friday we go out and get drunk to forget about that reality, hoping we can find something during the weekend that makes it possible on Monday to, in the words of one songwriter, "get up and do it again."

Remember, an economic system doesn't just produce goods. It produces people as well. Our experience of work shapes us. Our experience of consuming those goods shapes us. Increasingly, we are a nation of unhappy people consuming miles of aisles of cheap consumer goods, hoping to dull the pain of unfulfilling work. Is this who we want to be?

We're told TINA in a TGIF world. Doesn't that seem a bit strange? Is there really no alternative to such a world? Of course there is. Anything that is the product of human choices can be chosen differently. We don't need to spell out a new system in all its specifics to realize there always are alternatives. We can encourage the existing institutions that provide a site of resistance (such as labor unions) while we experiment with new forms (such as local cooperatives). But the first step is calling out the system for what it is, without guarantees of what's to come.

Home and abroad

In the First World, we struggle with this alienation and fear. We often don't like the values of the world around us; we often don't like the people we've become; we often are afraid of what's to come of us. But in the First World, most of us eat regularly. That's not the case everywhere. Let's focus not only on the conditions we face within a predatory corporate capitalist system, living in the most affluent country in the history of the world, but also put this in a global context.

Half the world's population lives on less than $2 a day. That's more than 3 billion people. Just over half of the population of sub-Saharan Africa lives on less than $1 a day. That's more than 300 million people.

How about one more statistic: About 500 children in Africa die from poverty-related diseases, and the majority of those deaths could be averted with simple medicines or insecticide-treated nets. That's 500 children — not every year, or every month or every week. That's not 500 children every day. Poverty-related diseases claim the lives of 500 children an hour in Africa.

When we try to hold onto our humanity, statistics like that can make us crazy. But don't get any crazy ideas about changing this system. Remember TINA: There is no alternative to predatory corporate capitalism.

TGILS: Thank God It's Last Sunday

We have been gathering on Last Sunday precisely to be crazy together. We've come together to give voice to things that we know and feel, even when the dominant culture tells us that to believe and feel such things is crazy. Maybe everyone here is a little crazy. So, let's make sure we're being realistic. It's important to be realistic.

One of the common responses I hear when I critique capitalism is, "Well, that may all be true, but we have to be realistic and do what's possible." By that logic, to be realistic is to accept a system that is inhuman, anti-democratic, and unsustainable. To be realistic we are told we must capitulate to a system that steals our souls, enslaves us to concentrated power, and will someday destroy the planet.

But rejecting and resisting a predatory corporate capitalism is not crazy. It is an eminently sane position. Holding onto our humanity is not crazy. Defending democracy is not crazy. And struggling for a sustainable future is not crazy.

What is truly crazy is falling for the con that an inhuman, anti-democratic, and unsustainable system — one that leaves half the world's people in abject poverty — is all that there is, all that there ever can be, all that there ever will be.

If that were true, then soon there will be nothing left, for anyone.

I do not believe it is realistic to accept such a fate. If that's being realistic, I'll take crazy any day of the week, every Sunday of the month.

(Information Clearing House)

Vol: 16 Regd. No. LRL -50 No.18

Weekly Nida-e-Khilafat Lahore

View Point

By Robert Jensen

Anti-Capitalism in Five Minutes or Less

We know that capitalism is not just the most sensible way to organize an economy but is now the only possible way to organize an economy. We know that dissenters to this conventional wisdom can, and should, be ignored. There's no longer even any need to persecute such heretics; they are obviously irrelevant.

How do we know all this? Because we are told so, relentlessly — typically by those who have the most to gain from such a claim, most notably those in the business world and their functionaries and apologists in the schools, universities, mass media, and mainstream politics. Capitalism is not a choice, but rather simply is, like a state of nature. Maybe not like a state of nature, but the state of nature. To contest capitalism these days is like arguing against the air that we breathe. Arguing against capitalism, we're told, is simply crazy.

We are told, over and over, that capitalism is not just the system we have, but the only system we can ever have. Yet for many, something nags at us about such a claim. Could this really be the only option? We're told we shouldn't even think about such things. But we can't help thinking — is this really the "end of history," in the sense that big thinkers have used that phrase to signal the final victory of global capitalism? If this is the end of history in that sense, we wonder, can the actual end of the planet far behind?

We wonder, we fret, and these thoughts nag at us — for good reason. Capitalism — or, more accurately, the predatory corporate capitalism that defines and dominates our lives — will be our death if we don't escape it. Crucial to progressive politics is finding the language to articulate that reality, not in outdated dogma that alienates but in plain language that resonates with people. We should be searching for ways to explain to co-workers in water-cooler conversations — radical politics in five minutes or less — why we must abandon predatory corporate capitalism. If we don't, we may well be facing the end times, and such an end will bring rupture not rapture.

Here's my shot at the language for this argument.

Capitalism is admittedly an incredibly productive system that has created a flood of goods unlike anything the world has ever seen. It also is a system that is fundamentally (1) inhuman, (2) anti-democratic, and (3) unsustainable. Capitalism has given those of us in the First World lots of stuff (most of it of marginal or questionable value) in exchange for our souls, our hope for progressive politics, and the possibility of a decent future for children.

In short, either we change or we die — spiritually, politically, literally.

1. Capitalism is inhuman

There is a theory behind contemporary capitalism. We're told that because we are greedy, self-interested animals, an economic system must reward greedy, self-interested behavior if we are to thrive economically.

Are we greedy and self-interested? Of course. At least I am, sometimes. But we also just as obviously are capable of compassion and selflessness. We certainly can act competitively and aggressively, but we also have the capacity for solidarity and cooperation. In short, human nature is wide-ranging. Our actions are certainly rooted in our nature, but all we really know about that nature is that it is widely variable. In situations where compassion and solidarity are the norm, we tend to act that way. In situations where competitiveness and aggression are rewarded, most people tend toward such behavior.

Why is it that we must choose an economic system that undermines the most decent aspects of our nature and strengthens the most inhuman? Because, we're told, that's just the way people are. What evidence is there of that? Look around, we're told, at how people behave. Everywhere we look, we see greed and the pursuit of self-interest. So, the proof that these greedy, self-interested aspects of our nature are dominant is that, when forced into a system that rewards greed and self-interested behavior, people often act that way. Doesn't that seem just a bit circular?

2. Capitalism is anti-democratic

This one is easy. Capitalism is a wealth-concentrating system. If you concentrate wealth in a society, you concentrate power. Is there any historical example to the contrary?

For all the trappings of formal democracy in the contemporary United States, everyone understands that the wealthy dictates the basic outlines of the public policies that are acceptable to the vast majority of elected officials. People can and do resist, and an occasional politician joins the fight, but such resistance takes extraordinary effort. Those who resist win victories, some of them inspiring, but to date concentrated wealth continues to dominate. Is this any way to run a democracy?

If we understand democracy as a system that gives ordinary people a meaningful way to participate in the formation of public policy, rather than just a role in ratifying decisions made by the powerful, then it's clear that capitalism and democracy are mutually exclusive.

Let's make this concrete. In our system, we believe that regular elections with the one-person/one-vote rule, along with protections for freedom of speech and association, guarantee political equality. When I go to the polls, I have one vote. When Bill Gates goes the polls, he has one vote. Bill and I both can speak freely and associate with others for political